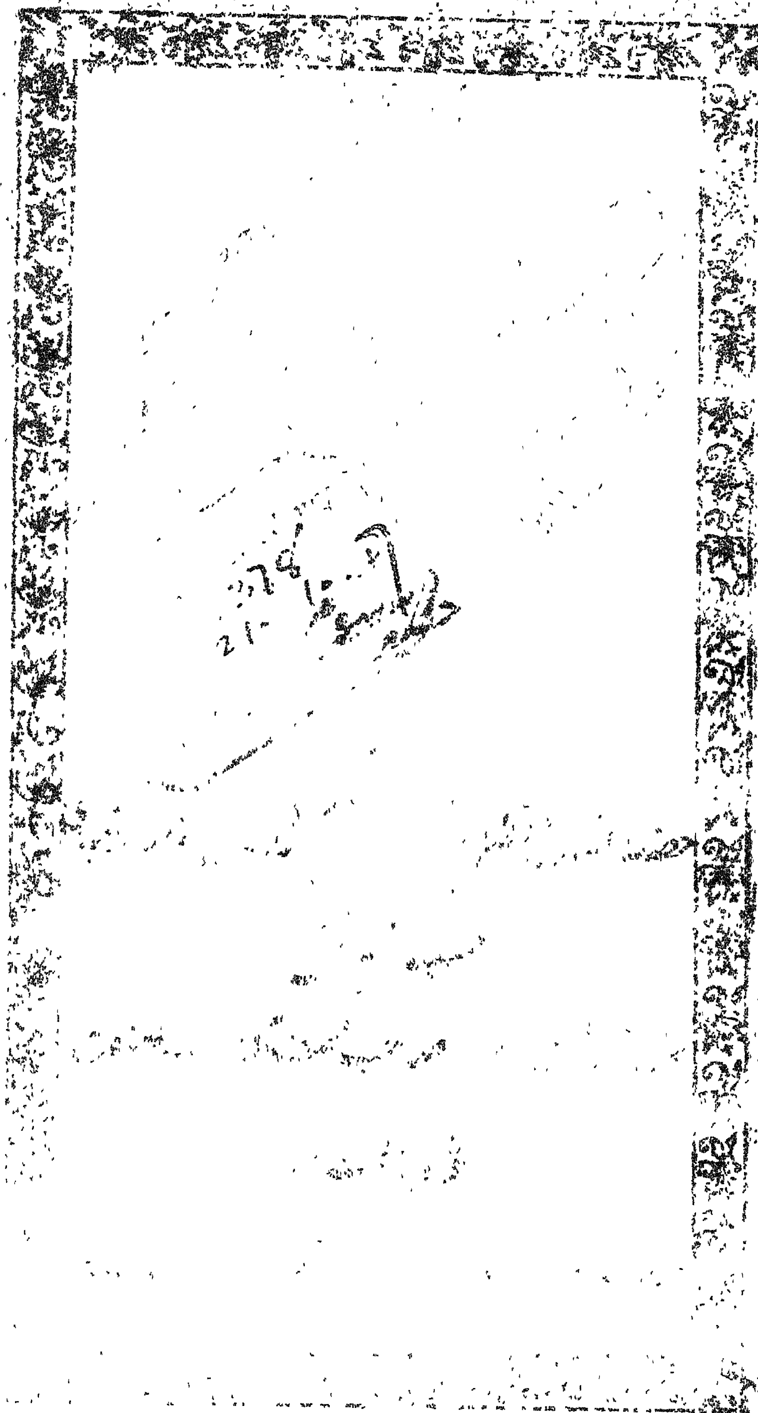


نوٹ

اس حصہ میں سنہ ۱۹۱۸ء سے قبل تک کے مضامین درج ہیں
سنہ ۱۹۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۱ء تک کا [illegible] انتقال کیا ہے
کلام ہو [illegible] چہارم میں چھپے گا
[illegible] حصہ میں [illegible] خطوط اکبر کی شائع ہو چکی ہیں
اور حال ہی میں ایک چھوٹی سی کتاب برن اور اکبر کے نام سے میں نے
شائع کی ہے جس میں برن (جو ولایت کا ایک مشہور مصور تھا) کی
چند تصاویر ہیں اور ان کے متعلق حضرت اکبر مرحوم الہ آبادی کے
چند اشعار ہیں۔

عشرت حسین

[illegible]

کلیاتِ اکبر

حصّہ سوم

مطبوعہ [illegible]



بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عمر کب تک وفا کریگی زمانہ کب تک جفا کریگا
مجھے قیامت کی ہین امیدین جو کچھ کریگا خدا کریگا

فلک جو برباد بھی کریگا بلند ارادے مرے رہین گے
جو خاک ہونگا تو خاک سے بھی سمٹ کے بگولا اٹھا کریگا

خدا کی پاکی پکارتا ہون ہوا کرے ناخوشی تو انکو
مری غرض کچھ نہین کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کریگا

جہان فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل تجھے
یہان تو پیہم یہی تردد یہی تغیر ہوا کریگا

اگرچہ ہے درد غم سے مضطر یہی ہے وردِ زبان اکبر
یہ درد جسنے دیا ہے ہمکو وہی ہمارے دوا کریگا

زندگانی کا مرا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

بولنے کی ہے نہ قوت نہ اشارے کی سکت
اتنا بس بھی مرا فطرت کو گوارا نہ رہا

پوچھتا کوئی دمِ مرگ سکندر اکبر
کتنے دن کی یہ تعلّی تھی کہ دارا نہ رہا

جب یہ دیکھا کہ جہان مین کوئی میرا نہ رہا
شدّتِ یاس سے مین آپ بھی اپنا نہ رہا

آپ تصنیف شرائط کی نہ تکلیف کرین
مجھکو خود ولولۂ عرض تمنّا نہ رہا

اسکی پروا نہ رہی خوش رہے دنیا مجھ سے
عاقلون مین مری گنتی ہو یہ سودا نہ رہا

منتشر رہنے مین پاتے ہین اب آرام حواس
شوقِ مجموعۂ ہوش خرد افزا نہ رہا

حیرت افزا ہے مرا حال مگر کون سنے
دیدنی بھی ہے مگر دیکھنے والا نہ رہا

دیکھنے کی تو ہی یہ بات رہا کیا اُس مین   آپ اکبر سے عبث پوچھتے ہین کیا نہ رہا

۴ غم کیا جو آسمان ہی مجھ سے پھرا ہوا   میری نظر سے خود ہی زمانا گرا ہوا
مغرب نے خوردبین سے کمر انکی دیکھ لی   مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

۵ شیخ کو بھی اُس بُتِ کافر نے اپنا کر لیا   دین سے کیا ہو سکا ایمان لیکے کیا کر لیا

۶ دیکھکر رنگِ فنا خون جگر پینا پڑا   زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

۷ خانۂ امید آتا ہے نظر اُجڑا ہوا   دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہوا
کیا کسی بزمِ طرب مین ہون مین اکبر شریک   آنکھ بھی روئی ہوئی ہے دل بھی ہے تڑپا ہوا

۸ بزمِ ہستی مین مرے پیش نظر کیا کچھ نہ تھا   دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا
بے تعلق منزلِ ہستی سے گذرا دل مرا   اسکی نظرون مین سزاوارِ تمنا کچھ نہ تھا

۹ تنہائی اور شبِ غم - ہم اور دل ہمارا   اللہ سے دعائین - اُمید کا سہارا

۱۰ ذہانت آپکی کُھلتی ہے مجھسے ملنے جلنے سے   ادب کی جب ضرورت ہی تو بہتر ہی جدا رہنا

۱۳ اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا   خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

۱۴ خدا کا نام گو اکثر زبانون پر ہے آجاتا   مگر کام اس سے جب چلتا کہ یہ دل مین سما جاتا

۱۵ نہین ہی کام زبان کا کچھ اب دعا کے سوا   نظر کسی پہ نہین ہی مری خدا کے سوا
کبھی کرین گے نہ وہ میرے دل سے ہمدردی   کوئی علاج نہین ترک مدعا کے سوا

۱۶ کرون کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا   کسی کو کیا ملا دنیا مین تھا کیا
یہ دونون مسئلے ہین سخت مشکل   نہ پوچھو تم کہ مین کیا اور خدا کیا
رہا مرنے کی تیاری مین مصروف   مرا کام اور اس دنیا مین تھا کیا
دہی صدمہ رہا فرقت کا دل پہ   بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

وہان تھا ولی یان بت پرستی   ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا
تمھارے حکم کے تابع ہین ہم سب   تمھین سمجھو برا کیا اور بھلا کیا
الٰہی اکبر بیکس کی ہو خیر   یہ چرچے ہو رہے ہین جا بجا کیا

عبث ہی نظم بلیغ فطرت جو رخ نہین حسن مدعا کا   حدیث عقبیٰ اگر غلط ہی تو کیا نتیجہ ہی ارتقا کا ۱۷

مرے دل سے امتیاز دی و فردا اٹھ گیا   حشر بھی ماضی نظر آیا جو پردا اٹھ گیا ۱۸

بتون کی طرح سے کل شاعری اردو کی مملو ہی   شکست اردو جب پائیگی تو مین سمجھونگا بت ٹوٹا ۲۰

اکبر کے کفر کا نہ رہا قدر دان کوئی   اس بت کو شیخ جی نے مسلمان کرلیا ۲۲

حق کی ہی کم محبت، ہی صرف خود فروشی   عزلت ہی ہی مناسب راضی جو دل ہو تیرا ۲۳
ملنے سے یہ خرابی پیدا ہوئی بالآخر   اب معترض ہے مجھپر مشتاق تھا جو میرا

صاحب لفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہین   صاحب معنی کو صرف اک لفظ کافی ہوگیا ۲۵

جہان فانی کی حالتون پر بہت توجہ عبث ہے اکبر   جو ہو چکا ہی وہ پھر نہوگا جو ہو رہا ہی وہ ہو چکیگا ۲۶

مصیبت ہے مجھے اس بت سے الفت ہوگئی اکبر   کہ جسکو بتکدے مین بھی کوئی اچھا نہین کہتا ۲۷

متحد احساس سے ہمکو معرا کر دیا   ٹکڑون کی ریزے کیے ہیٔون کو ذرہ کردیا ۲۸

ناموں کو ہادیون کے بے انتہا جھنجھوڑا   یارون نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا ۲۹

کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان اپنی نہین ملیگی   بعید شان کریم سے ہی کسی کو کچھ دے کے چھین لینا ۳۰

ترک دنیا کے خیالات کو دھوکا پایا   غور جب ہمنے کیا سائنس کو دنیا پایا ۳۱
دام تقریر بتان سے حذر اے اہل نظر   بخدا ہمنے تو ہر لفظ کو پھندا پایا
جسکے ہر پیچ مین سو دام بلا ہین اکبر   ایک عالم کو اسی زلف کا شیدا پایا

ریزولیوشن کی شورش ہی مگر اسکا اثر غائب   پلیٹون کی صدا سنتا ہون اور کھانا نہین آتا ۳۲

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں — حجاب اُسکو نہیں آتا۔ انھیں غصّا نہیں آتا

جو کچھ تم کہہ سکے ہو جسنے وہ کہنا نہیں سیکھا — یہ سچ کہتے ہو اُس نے مطمئن ہنا نہیں سیکھا ۲۴

ہستیٔ بے ثبات نے جانِ بشر کو کیا دیا — نفس سے حرص آ گئی ہوش نے بین بہا دیا ۲۵
نفس نے کہدیا غلط عقل نے بھی ملائی ہاں — منزلِ ذوقِ روح کا دل نے اگر پتا دیا
چشمِ خرد سے عار تھی حسن جنوں پسند کو — عقل نے آنکھ بند کی اُس نے حجاب اُٹھا دیا

حالِ دل میں سُنا نہیں سکتا — لفظ معنی کو پا نہیں سکتا ۲۶
عشق نازک مزاج ہے بیحد — عقل کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا
ہوشِ عارف کی ہے یہی پہچان — کہ خودی میں سما نہیں سکتا
پونچھ سکتا ہے ہمنشیں آنسو — داغِ دل کو مٹا نہیں سکتا
مجھکو حیرت ہے اُسکی قدرت پر — علم اس کو گھٹا نہیں سکتا

آتشیں روئے بتاں دیکھ کے واعظ نے کہا — کار اکبر یہی ہے دوزخ سے لگاوٹ کرنا ۲۷

ہے دو روزہ قیام سرائے فنا نہ بہت کی خوشی نہ ہے کم کا گلا
یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا وہ گیا، جو ملا وہ ملا
نہ بہار جمی نہ خزاں ہی رہی کسی اہلِ نظر نے یہ خوب کہی
یہ کرشمۂ شانِ ظہور ہیں سب، کبھی خاک اُڑی کبھی پھول کھلا
نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب یہی ساقیٔ دہر سے بس ہے طلب
مجھے طاعتِ حق کا چکھا دے مزا نہ کباب کھلا نہ شراب پلا
ہے فضول یہ قصۂ زید و بکر ہر اک اپنے عمل کا چکھے گا ثمر
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

راز ہستی کو کوئی آج تلک پا نہ سکا — پا گیا کچھ تو کسی غیر کو سمجھا نہ سکا
ناشگفتہ ہی رہا غنچۂ خاطر میرا — ساخت ایسی تھی کہ دنیا کی ہوا کھا نہ سکا
حسن گل سے ہی سوا ناز کا موقعہ کسکو — وہ بھی دو دن سے زیادہ کبھی اترا نہ سکا
بزم جاناں کے تصور سے رہا میں قاصر — دور کی بات تھی اندیشہ وہاں جا نہ سکا

کیا حرج ہی پڑھوں جو یہ مصرعہ میں برملا — دین خدا حسین ہے دنیا ہے کربلا ۴۲

فلک کو میں نے مجھے دی فلک نے داد اکبر — اسے ستم تو مجھے صبر آزمانا تھا ۴۳

اس ستمگر نے بگڑنے ہی کو جب بننا کہا — رفع شر کے واسطے ہمنے بھی آمنا کہا ۴۴

میں کیا کہوں اسے اور کیا کروں گلا اسکا — مجھے ہنوز پتا ہی نہیں ملا اسکا ۴۵
اگرچہ دل کو ہی سودا اسے برا نہ کہو — کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلا اسکا

انھیں حسرت ہی اکبر کاش میرا ہم نوا ہوتا — میں کہتا ہوں ذرا سوچو جو ہوتا بھی تو کیا ہوتا ۴۶

غریب اکبر نے بحث پردے کی بہت کچھ مگر ہوا کیا — نقاب الٹ ہی دی اسنے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا کیا ۴۷

رہا تو مردوں سے حال بدتر جیا بھی اکبر تو وہ جیا کیا — نئے طریقوں کے حامیوں نے کہا بہت کچھ مگر کیا کیا ۴۸
یہ چائے ہرگز نہیں ہے کافی نہیں ہے لمنیڈ کا بند قائل — شراب ہی حلق سے نہ اتری تو شیخ جی نے صفا نے پھر پیا کیا

میں نام سعی کا اپنی خدا نہ رکھونگا — جو بن پڑیگا مگر وہ اٹھا نہ رکھونگا ۵۰

ادائے شکر تو سمجھونگا فرض عمر بھر — امید آپ سے لیکن ذرا نہ رکھونگا ۵۱

نئے طریقوں سے مقصد شرع بکار فرما نہو سکے گا — ادھر جو پردہ نہ ہو سکیگا ادھر بھی تقوی نہو سکیگا
تمام دنیائی روش میں جو چھوڑ بیٹھے گی دین حق کو — جو ایک مومن بھی ہوگا زندہ تو اس سے ایسا نہو سکیگا
دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گذارش — مرض ترقی کریگا اس سے مریض اچھا نہو سکیگا
جدائی نے میں بنایا مجھکو جدا نہوتا تو میں نہوتا — خدا کی ہستی ہے مجھ سے ثابت خدا نہوتا تو میں نہوتا ۵۲

۵۴ خدا ہی کی قدرت کا ہر سو عمل ہے — تفکر میں کیوں جان اپنی ہو کھوتا
ہوا جو کچھ اکبر سمجھ ٹھیک اسکو — ضروری نہ ہوتا تو ہرگز نہ ہوتا

۵۵ نظر کو ہو ذوق معرفت کا کرے تو شوق اضطراب پیدا — سوال پیدا جو ہونگے دل میں انھیں سے ہونگے جواب پیدا
کرو نہ کچھ فکر جام و ساقی بہار آنے تو دو چمن میں — گلوں سے ٹپکیگا رنگ مستی ہوا کرے گی شراب پیدا
نہ اس کو لوٹنے کا موقعہ نہ شوق گستاخیٔ نگاہی — اداؤں میں کچھ لگاوٹیں ہیں نگاہ سے ہے عتاب پیدا
ہر اک کے لائق ہے اسکی زینت ہے تری شان کبریٰ قدرت — کہ آنکھ کو اشک سے ہے بھرتی گہر میں کرتی ہے آب پیدا
یہ منزل حرص مال و دولت نہ دیگی دنیا میں تمکو راحت — ہوس بڑھائیگی تشنگی کو نظر کرے گی سراب پیدا

۵۶ اک تماشا ہے یہ قرب ضعف یہ بعد اجل — مدتیں گذریں اسی میں اب مرا اور اب مرا
دفن کردو فاتحہ پڑھ دو سدھارو دوستو — یہ نہ پوچھو تم کہ میں کیونکر مرا اور کب مرا
اسکو پروانہ نہ کہہ دن کو ہوا جو پائمال — وہ ہے پروانہ جو پیش شمع وقت شب مرا

۵۷ بہت دشوار ہے شایستۂ راہ طلب ہونا — نظر کا حد میں رہنا شوق دل کا با ادب ہونا
تعجب انقلابوں کا ہے کیا اس دور گردوں میں — یہاں تو رات دن ہے شب کا دن اور دن کا شب ہونا
تڑپنے کا سلیقہ کیوں کیا تھا ثابت اس دل نے — تعجب کیا ہے اب بہر مصیبت منتخب ہونا

۵۹ حرص دنیا کا اثر طبع پہ غالب نہ رہا — دیکھکر حالت مطلوب میں طالب نہ رہا
کہیں اس عہد میں دو دل نظر آتے نہیں ایک — اثر معنی یک جان و دو قالب نہ رہا
کہہ چکا ان سے بہر حال ہوں راضی برضا — اب کوئی موقعۂ اظہار مطالب نہ رہا

۶۲ ہوش نے کرلیے اغراض و مطالب پیدا — نقش سے ہوگئے اطراف و جوانب پیدا

۶۳ خوشی سے شیخ کالج کو مسجد اب نہیں چلتا — جہاں روٹی نہیں چلتی وہاں مذہب نہیں چلتا

۶۴ کونسلوں میں سوال کرنے لگے — قومی طاقت نے جب جواب دیا

معانی کی نظر سے جو تری صورت کو دیکھے گا   نہ وہ دوزخ کو دیکھے گا نہ وہ جنت کو دیکھے گا ۶۵

دونگا ذرا سمجھ کے جواب اُنکی بات کا   رخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا ۶۷

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا   دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا ۶۹

آنے دو مصیبت کو دھرنا نہ دل پر   جو بند ہے غفلت میں وہ عبرت میں کھلیگا ۷۰

محفل ہی میں خاموش ہے اور بند ہے اکبر   تنہا کبھی ملئے گا تو خلوت میں کھلے گا

کیا علم کی لذت سے بھی بڑھکر ہے کوئی چیز   یہ حال تو بس محفلِ حیرت میں کھلے گا

خدا طالب نہیں تمسے مقفّٰے بات کرنے کا   وہ اُس سے خوش ہے جسکو شوق ہے خیرات کرنیکا ۷۱

خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا   وہی بندہ ہے اچھا شوق ہو جسکو عبادت کا ۷۲

احساس جو ہوتا ہے روایات سے پیدا   ہوتا نہیں اصلی اثر اُس بات سے پیدا ۷۳

کام اس ملک میں ہو "سلف گورمنٹ" سے کیا   زہر کو ہضم کرے کوئی پپرمنٹ سے کیا ۷۴

ناحق جو وہ مجھ سے کد کرے گا   اللہ مری مدد کرے گا ۷۶

دعوی تو مرا ہے صرف توحید   کیونکر کوئی اسکو رد کرے گا

دنیا کی طرف بلانہ اے شیخ   نیکوں کو یہ وعظ بد کرے گا

جسے حکومت کا نشہ ہو گا فلک سدا اُس سے کد کریگا   جو صبر و طاعت سے کام لیگا خدا اُسی کی مدد کریگا ۷۸

اکبر نہ تھما تجانے میں زحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا
کچھ نام خدا سے اُنس بھی تھا کچھ ظلم بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابل رشک اے اہل نظر
اک شب ہی میں پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بُت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل

افسوس کہ بت بھی ہمسے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا

جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ کل رویا میں بہت

کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا

کیا گذری جو اک پردے کے عدو رو رو کے پولس سے کہتے تھے

عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئیں زیور بھی گیا

اکبر کے جو مرجانے کی خبر ساقی نے سُنی تو خوب کہا

مرنا تو ضروری تھا ہی اُسے رندوں کے لیے کچھ کر بھی گیا

الف ۸۰ کیا خبر کونسا قانون سزا دیگا مجھے ✓ مجھپر الزام ہی مذہب کی طرفداری کا

مال گاڑی پہ بھروسا ہی جنھیں اے اکبر اُنکو کیا غم ہی گناہوں کی گرانباری کا

۸۱ سعادت ہی تری دُھن میں خودی سے بے خبر ہونا ترے ہونیکے آگے کچھ نہیں ہونا ہے ہر ہونا

تعجب خیز ہے انشائے ہستی پر نظر ہونا خبر کا شوق رکھنا ابتدا سے بے خبر ہونا

زمیں زیرِ قدم پاکر بشر نے پاؤں پھیلائے نہ رکھا یاد اُسنے چرخ کا بالا سے سر ہونا

قیامت ہی مرا جوشِ طبیعت اُنکی کم عمری مرا بے چین ہونا اور اُنکا بے خبر ہونا

پریشاں ہو کے کھو جانے میں اک معنی ہیں اے اکبر نہیں تو بات کیا ہی عاشقِ زلفِ کمر ہونا

سیہ خانہ وہی ہی اور وہی سوزِ غمِ فرقت مرے کس کام آیا آپ کا رشکِ قمر ہونا

مٹا دو زنگِ حدت میں خودی کا نقش اے اکبر اگر ثابت کیا چاہو تم اپنا معتبر ہونا

۸۲ جلوہ عیاں ہے قدرتِ پروردگار کا کیا دلکشا یہ سین ہے فصلِ بہار کا

نازاں ہیں جوشِ حسن پہ گلہائے دلفریب جوبن دکھا رہا ہے یہ عالم اُبھار کا

ہیں دیدنی بنفشہ و سنبل کے پیچ و تاب نقشہ کھنچا ہوا ہے خط و زلفِ یار کا

سبزہ ہے یا یہ آبِ زمرد کی موج ہے — شبنم ہے۔ بحر یا گہرِ آبدار کا
مرغانِ باغ زمزمہ سنجی میں محو ہیں — اور ناچ ہو رہا ہے نسیمِ بہار کا
پروازیں میں ہیں تیتریاں شاد و مست — زیبِ بدن کیے ہوئے خلعت بہار کا
موجِ ہوا و زمزمۂ عندلیبِ مست — اک سازِ دلنواز ہے مضراب و تار کا
ابرِ تنک نے رونقِ موسم بڑھائی ہے — غازہ بنا ہے روئے عروسِ بہار کا
افسوس اس سماں میں بھی اکبر اداس ہے — سوہانِ روح ہجر ہے اک گلعذار کا

۸۳ کل کی امیدوار ہے دنیا — عالمِ انتظار ہے دنیا
بیخبر رکھتی ہے حقیقت سے — ہوش پر میرے بار ہے دنیا

۸۵ خلقت کی یہ موجیں ہیں ازلی ممکن نہیں ضبط اس منظر کا — اے عشق بشر کہتا ہے جنوں ہر ذرّے کے کب اور کیونکر کا
اغراض جو ہیں نفسانی کھو دیتے ہیں نورِ ایمانی — موقعہ ہی نہیں ملتا دل کو [illegible] اپنے جوہر کا

۸۹ پیدا کیا ہے جسنے امید ہے اسی سے — کچھ شک نہیں ہے اس میں بس ہے وہی ہمارا

۹۰ سمجھا تھا میں کہ وقت جو آیا گذر گیا — کہتا ہے فلسفہ کہ تجھی میں ٹھہر گیا
کہتا ہے جسکو وقت ترا ہی ظہور ہے — دامانِ عمر تیری ہی ہستی سے بھر گیا

۹۱ کمال شوق سے لپٹا ہوا ہوں دنیا سے — سنا جو ہیچ اسے آپ کی کمر سمجھا

۹۲ ہے اختیار خود کو مختار تم سمجھ لو — لیکن ہوئے یقیناً بے اختیار پیدا
دستِ اجل سے آخر بگڑی ہے بات اسکی — مٹی نے کر لیا تھا اک اعتبار پیدا

۹۳ ہزاروں ہی مصائب جھیلکر پائی ہے یہ نعمت — نہ تھا کچھ سہل دنیا سے مرا بیزار ہو جانا
نہ ہو مشہور تو دنیا طلب غوغائے ہستی میں — یہ کچھ اچھا نہیں رسوا سرِ بازار ہو جانا
سوا دل کے کہ اسکی زندگی رہ سکتی ہے قائم — یقینی [illegible] بیکار ہو جانا

۹۴ انکو مرا عریضہ پہنچا ضرور ہوگا — لیکن جواب کیسا مانع غرور ہوگا

۹۵ کرو سکوت نہیں وقت اعتراض اکبر — فضول بحث سے اپنوں کو تم نے غیر کیا

۹۶ افسوس ہے کہ زندہ ہوں کہنا پڑا یہ حال — کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ مر گیا

۹۷ زبان سے بے تعلق دل کو بزم یار میں دیکھا — تعجب خیز ضبط اس محرم اسرار میں دیکھا
ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو — برہمن کو اُدھر اُلجھا ہوا زنّار میں دیکھا
مگر عشقِ حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میں — فقط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میں دیکھا
وہ بانکا قاتل آئینے کی کچھ پروا نہیں کرتا — کبھی دیکھا بھی اپنا عکس اگر تلوار میں دیکھا
زمانے نے مرے آگے بھی دنیا پیش کر دی تھی — مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا
صفِ مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اُسکی — یہ سمجھو تم اُسے اللہ کے دربار میں دیکھا

۹۹ طرزِ عمل پہ ہمنے کبھی غور کیا کیا — جو نفس نے کہا وہ کیا اور کیا کیا
ہمسے گناہ گار کی قوت جو چھین لی — بیشک خدا نے رحم کیا جور کیا کیا

۱۰۰ راہِ خدا میں صبر کی منزل کی دھوم ہے — میں بھی کرونگا قصد اگر دل ٹھہر سکا
آئین نو کے ہونگے نتیجے بہت بُرے — بچ جاؤنگا میں اُنسے اگر جلد مر سکا

۱۰۱ قوت ہی تعلق کی نہ رہی ہر طرح مرا دل توڑ دیا — دنیا کو کرونگا ترک میں کیا دنیا ہی نے مجھکو چھوڑ دیا

۱۰۲ دنیا کو بت بنائے رہا تا دمِ اخیر — کیا احتساب اُسنے کیا توڑ کیا گیا
کوئی مرے تو پوچھو کہ کیا لیگیا وہ ساتھ — بالکل فضول بحث ہے یہ چھوڑ کیا گیا

۱۰۳ کیا عجب ہو گئے مجھ سے مرے دمساز جدا — دورِ فوٹو میں گلے سے ہوئی آواز جدا
وجد یاروں کو ہے اس نغمے میں حیراں ہوں میں — سُر سے آواز جدا راگ سے ہے ساز جدا
آسماں کی یہ چالیں ہیں جادو کے یہ رنگ — سب ہے اس نرگسِ فتّاں کے ہیں انداز جدا

انکی آنکھوں کی لگاوٹ سے حذر لے اکبر دین سے کرتی ہے دل کو بھی غمزہ جدا

۱۰۴ پولٹیکل شروں سے ہرگز نہ ساز کرنا وہ چغد ہے جو چاہے بلبل کو باز کرنا

موسم جو ہو مخالف ہرگز نہیں مناسب منقار کو قرینِ آہنگ ناز کرنا

۱۰۵ مٹی کو آگیا ہے روحوں کو پھانس لینا سب کے گلے پڑا ہے دن رات سانس لینا

ہوش و خرد کا نزلہ تکلیف دے رہا ہے جائز سمجھ لیا ہے یاروں نے کھانس لینا

۱۰۶ کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق کس نے کیا کہا اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اُس نے کیا کہا

خانساماں دونوں نے سمجھا انہیں انداز سے کیا بتاؤں کیا کہا بیگم نے مِس نے کیا کہا

معدے نے تو کر لیا سوڈے سے اقرارِ وفا برف سے لیکن یہ آج محتسب نے کیا کہا

پوچھئے اُس بت سے سنکر میں تو بولا ہی نہیں وہ بالآخر پھنس گیا دقت میں جس نے کیا کہا

کہہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر تجھ سے فطرت کی زباں میں تیرے حس نے کیا کہا

۱۰۷ رہتا بہت ہے شوق دلیل و قیاس کا مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

۱۰۸ کل جورِ چرخ میرے ہی حصے میں بس پڑا دنیا پڑی تھی پر وہ مجھی پر برس پڑا

۱۰۹ منتشر ذروں کو یکجائی کا جوش آیا تو کیا چار دن کے واسطے مٹی کو ہوش آیا تو کیا

عارضی ہیں موسمِ گل کی یہ ساری مستیاں لالہ گلشن میں اگر ساغر بدوش آیا تو کیا

دورِ آخر بزمِ دنیا کا ہے جامِ خونِ دل عیش اس محفل میں بنکے بادہ نوش آیا تو کیا

حدِ حیرت ہی میں رکھا ضعف نے ادراک کو پیکرِ خاکی کو اس عالم میں ہوش آیا تو کیا

۱۱۰ جان کو نفس کے آغوش میں رہنے نہ دیا عشق نے دل کو مرے ہوش میں رہنے نہ دیا

بوئے فردا تو ہوئی دفعِ افسردہ دلی رنگِ امشب نے مگر جوش میں رہنے نہ دیا

یہ تو بدلا نہیں لیکن تری بے مہری نے زور کچھ طبعِ وفا کوش میں رہنے نہ دیا

۱۱۱ پری سے اُنکا دل بے ربط نکلا　　جنوں سمجھے تھے جس کو خبط نکلا

۱۱۲ بتانِ دہر سے مجھکو تمتّع ہو نہیں سکتا　　خلوص امکان سے باہر، تصنّع ہو نہیں سکتا

محیطِ دہر میں کتنا خطوں کا ہے غلط راہی　　جو رُخ ہو جانبِ مرکز تقاطع ہو نہیں سکتا

۱۱۳ اسقدر زیست سے بیزار کیا تھا غم نے　　ملک الموت نے پایا مجھے مشتاق اپنا

مدحِ حُسن سُن کے کھنچا جاتا ہے دل اسکی طرف　　کبھی لیگا وہ مجھے شہرۂ آفاق اپنا

دل گیا۔ صبر گیا۔ ہوش گیا۔ جان گئی　　مژدہ اے عشق حساب اب تو ہی بیباق اپنا

۱۱۴ پاکر خطاب ناچ کا بھی ذوق ہو گیا　　سر ہو گئے تو بال کا بھی شوق ہو گیا

۱۱۵ جہد یہ ہے کہ زمانے کو موافق کرلے　　سب کو آتا نہیں زمانے کے موافق ہونا

عزتِ عقل یہی ہو جاکے جو وہ خادمِ عشق　　شاذ و نادر ہی مگر عقل کا عاشق ہونا

۱۱۶ معذور ہوں میں حضرت کو اگر ہے مجھ سے گِلا بے باکی کا

نیکی کا ادب تو آساں ہے مشکل ہے ادب چالاکی کا

۱۱۷ وہ میرے پیش نظر تھے فلک نہ دیکھ سکا　　چھٹے تو پھر میں اُنھیں آج تک نہ دیکھ سکا

الف ۱۱۷ تنگ دنیا سے دل اس دورِ فلک میں آگیا　　جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا

آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے　　عرش باقی تھا سو وہ بھی حدِ شک میں آگیا

۱۱۸ فریب سمع و بصر میں آکر تو اے دل کا ہلاک ہونا　　کسی نے سمجھا اسے ترقی کسی نے سمجھا ہے خاک ہونا

۱۱۹ خدا کی ہستی کو یاد رکھنا اور اپنی ہستی کو بھول جانا

نظر اُسی پہ ہے اور باتوں کو میں نے بالکل فضول جانا

جنوں ہم ایسوں کو کیا تعجب بہار کا ہے سماں ہی ایسا

صبا کا اٹکھیلیوں سے چلنا خوشی سے کلیوں کا پھول جانا

جہانِ فانی کی انجمن میں یہی تسلسل ہمیشہ دیکھا
اُمید کے ساتھ شاد آنا اُٹھا کے صدمے ملول جانا

شبِ حسرت میں کل یوں مجھسے سرگرمِ سخن دل تھا — گئے وہ دن کہ میں دنیا میں خوش رہنے کے قابل تھا ۱۲۰

ایک ساعت کی یہاں کہہ نہیں سکتا کوئی — یہ بھلا کون بتائے تمھیں کل کیا ہوگا ۱۲۱
بڑھتا ہی جاتا ہے سوزِ غمِ فرقت یارب — آج یہ حال ہمارا ہے تو کل کیا ہوگا
ایک دن اور قیامت کھسک آئیگی اِدھر — اور کیا عرض کروں آپ سے کل کیا ہوگا

یہ فکر چھوڑ کہ دنیا کا حال کیا ہوگا — اسی کو سوچ کہ تیرا مآل کیا ہوگا ۱۲۲
کھلا دیوان مرا تو شورِ تحسیں بزم میں اُٹھا — مگر سب ہو گئے خاموش جب مطبع کا بل آیا

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائیگا — زبان بند کرو حال کھل ہی جائیگا ۱۲۴

کیا کروں اظہار اپنے حال کا — آئینہ ہے آپ کے اقبال کا ۱۲۵

حدیثِ عافیت کیسی اُمیدونکا محل کیسا — ہجومِ یاس میں دل کیلئے طولِ امل کیسا ۱۲۶
تعجب جوشِ زندگی پر نہ کر اس پردۂ دلکش میں — جہاں یہ حسنِ صورت ہو وہاں حسنِ عمل کیسا
یہ موجِ فیض ہے تہذیب کی یا اُسکا طوفاں ہے — کنواں موجود ہے گھر میں تو پھر پانی کا نل کیسا

رکھو مرگ کو محبوب تامل نہیں اچھا — اس ہستیِ ناقص کا تسلسل نہیں اچھا ۱۲۷
تحقیر جو ہو پیش تو ہاں جی سے گذر جا — رندی کے بھی حق میں یہ تحمل نہیں اچھا
خاموش رہا میں گلِ تصویر کے آگے — ہر چند مچا غل کہ یہ بلبل نہیں اچھا
یہ ٹھیک نصیحت ہے کہ ہے ہم پہ عمل فرض — یہ وعظ غلط ہے کہ توکل نہیں اچھا
دنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا — جزو اُسکا ضروری ہے مگر کل نہیں اچھا

شیخ صاحب جمع بندی میں کیوں اُلجھے رہے — ہند کا اسلام ہی کھیوٹ میں داخل ہوگیا ۱۲۸

۱۱۹ نہ پائی دل نے راحت اسقدر بزمِ احبا میں — اُنھوں نے جب مِرے تحسیں مِرے اشعار پر کھولا
ہوئی جس درجہ کلفت کیا کہوں ایسے سوالوں سے — یہ تم کس واسطے لکھا یہ تم کس واسطے بولا

۱۲۰ واقف کبھی خوشی سے مرا دل نہ ہو سکا — لیکن یہ غم ہی کیا ہو کہ غافل نہ ہو سکا
توہین سہہ کئے دیر میں پاتے ہی کچھ عروج — افسوس ہے کہ دل متحمل نہ ہو سکا

۱۲۱ مزا آسودگیٔ نفس کا کتنا ہی اچھا ہو — حریفِ لذتِ بیتابیٔ دل ہو نہیں سکتا
وہ کیا پابند آئیں ہو پڑے جس پر نظر تیری — مرتب بہرِ منطق ہوش بسمل ہو نہیں سکتا
شمولِ خوں نہیں ہے ابرِ نیساں تیرے قطرے میں — دُرِ تاباں تو بن سکتا ہے یہ دل ہو نہیں سکتا
نظر اپنی خودی پر کرکے کہتا ہے یہی اکبر — یہ جھگڑا ہوش کا ہستی میں کامل ہو نہیں سکتا

۱۲۲ دلِ زخمی سے خوں اے ہمنشیں کچھ کم نہیں نکلا — تڑپنا تھا مگر قسمت میں لکھا دم نہیں نکلا
ہمیشہ زخمِ دل پر زہر ہی چھڑکا خیالوں نے — کبھی ان ہمدموں کی جیب سے مرہم نہیں نکلا
ہمارا بھی کوئی ہمدرد ہے اسوقت دنیا میں — پکارا ہر طرف مُنھ سے کسی کے ہم نہیں نکلا
تجسس کی نظر سے سیرِ فطرت کی جو اے اکبر — کوئی ذرہ نہ تھا جس میں کہ اک عالم نہیں نکلا

۱۲۳ فراغِ طبع ہمکو اپنے ہی غم سے نہیں ملتا — کسی سے ہم نہیں ملتے کوئی ہم سے نہیں ملتا
کیا ہے ذوقِ ترکِ ما سوا نے مجھکو دیوانہ — دل اپنا اُس سے ملتا ہے جو عالم سے نہیں ملتا

۱۲۴ مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہارِ غم کرنا — مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اُس کا کرم کرنا
رہِ عرفاں میں جس خطِ والم کا نا مناسب ہے — پسندِ طبعِ اکبر ہے نہ خوش رہنا نہ غم کرنا

۱۲۵ بساطِ دل تو یہ اور اس پہ یا اللہ غم اتنا — نہ تھی طاقت زباں میں رہ گئے بس کہکے ہم اتنا
نہ ہوں نازاں مجھے بیجاں سمجھکر یہ بتِ ظالم — خدا کا نام لیتا ہوں ابھی باقی ہے دم اتنا
خیالاتِ عدوئے ہوش کا سودا ہے اکبر کو — حریصِ بیخودی ہوگا کوئی دنیا میں کم اتنا

۱۳۶ یاس ہی یاس تھی محبت کا پیغام آیا — میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرا کس کام آیا

۱۳۷ عقبیٰ کا یقیں تجھکو نہوتا جو کم اتنا — دنیا کے حوادث پہ نہوتا الم اتنا

۱۳۸ غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو — چل بھی سکتا ہے خدا کے انتظام اتنا بڑا
سنتے ہیں اکبر کو ہے عشقِ دہانِ تنگ بت — کام اتنا چھوٹا اور حضرت کا نام اتنا بڑا

۱۳۹ چلنا جو میں چاہوں تو قدم اٹھ نہیں سکتا — لکھنے کی ہو خواہش تو قلم اٹھ نہیں سکتا
ہو عزم فغاں کا تو زباں ہل نہیں سکتی — چپکا جو رہوں بارِ الم اٹھ نہیں سکتا

۱۴۰ امتیازِ حسرت و رنج و الم جاتا رہا — غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا
بزمِ دنیا میں کہاں سامانِ حشمت کو ثبات — گم ہوئی مہرِ سلیماں جامِ جم جاتا رہا
جس سے تھا خودداریٔ اربابِ حاجت کا بنا؟ — وہ سلیقہ تمسے اے اہلِ کرم جاتا رہا
نقلِ مغرب میں جو چھوڑی ایشیا نے اپنی اصل — گھٹ گئی شانِ عرب حسنِ عجم جاتا رہا
نقشِ صورت ہی کی تزئیں پر رہی جسکی نظر — اس سخن سے حسنِ معنی یک قلم جاتا رہا

۱۴۱ کہاں ہیں ہم میں اب ایسے سالک، کہ راہ ڈھونڈھی، قدم اٹھایا
جو ہیں، تو ایسے ہی رہ گئے ہیں، کتاب دیکھی قلم اٹھایا
اگرچہ راحت کا بھی تھا موقع، مجھے تھا لیکن خیالِ فردا
شبک نہ ہونا تھا چشمِ دل میں، اسی سے بارِ الم اٹھایا
فلک کی گردش کے رنگ ہیں یہ، کہ ہم جھکے ہیں تو نکے آگے
خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے، عرب نے نازِ عجم اٹھایا

۱۴۲ ہمیشہ ہوتے ہیں دنیا کی راحت سے الم پیدا — وہ کیا شادی کہ جس شادی سے ہو اسبابِ غم پیدا

۱۴۳ فلک سے گو کہ مجھے شکوۂ مظالم تھا — مگر میں خود طلبِ عافیت سے نادم تھا

کھنچے جو دار پہ منصور راہ ہی تھی غلط — خدا بنے تھے تو چھپنا بھی انکو لازم تھا
ہمیشہ کہتا تھا ہر بات پر نمیدانم — کچھ اسمیں شک نہیں اکبر بڑا ہی عالم تھا

۱۴۴ سخت طینت ہی تو نیک انجام کیوں ہونے لگا — انشراحِ صدر للاسلام کیوں ہونے لگا

۱۴۵ فلک سے شکوۂ جور و ستم کیا — زمیں چلکر میں جب خود ہی تو ہم کیا
ہمیں دنیا میں بحثِ بیش و کم کیا — زیادہ خود نہیں ہے وہ تو ہم کیا

۱۴۶ تھا زور کبھی خود بینی کا، کرتے ہی تھے کیا ہم ہم کے سوا
اب اپنی زباں پر کچھ بھی نہیں ہے، ربّ اغفر وارحم کے سوا
ہو جوشِ سرشکِ شوق اگر، رنگینیٔ دل کی زینت ہو
غازہ رخِ گل کا کون ہے اس گلشن میں شبنم کے سوا
غفلت سے ہی کا یہ دل میں خلل، گو آتی ہے سب کو یا دِ اجل
مجھکو تو کوئی مصلح نہ ملا داغوں کے سوا اور غم کے سوا

۱۴۷ محافل میں بہت آساں ہی بر سوں تیغ و خم کھانا — مگر مشکل ہی واعظ کے لیے دو دن بھی کم کھانا

۱۴۸ جو مرغِ صبح کی آواز کو بانگِ اذاں سمجھا — اُسے بیدار دل نے دہر کا رازِ نہاں سمجھا
جو اپنی زندگانی کو فقط اک امتحاں سمجھا — اُسی نے راحتِ تحقیق کا رازِ نہاں سمجھا

۱۴۹ تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش کا دن کچھ نہ تھا — تمنے سب کچھ اسکو سمجھا تھا وہ لیکن کچھ نہ تھا
طالبِ دنیا کو وقتِ نزع کیوں گھٹتی نہ یاس — تھا جو ظاہر ہو گیا وہ ختم باطن کچھ نہ تھا

۱۵۰ بنی فطرت اُسی کی یہ بہت جو بت حسین نکلا — نظر نے راز جوئی کی نتیجہ کچھ نہیں نکلا

۱۵۱ آتشِ غم سے چمکنے لگے اشعار مرے — داغِ دل کرنے لگے معنیٔ روشن پیدا

۱۵۲ گھٹتا جاتا ہے مری نظروں میں مقدور مرا — بڑھتا جاتا ہے شمار اُنکے خریداروں کا

بحث میں عفو و سزا کے یہ لڑے مرتے ہیں   فیصلہ کر ہی دو اب اپنے گنہگاروں کا
بے خطر پھرتا ہوں بازارِ جہاں میں ہر سو   کیسہ خالی ہے تو کیا خوف ہے عیاروں کا
فطرت اُٹھی ہے شفاعت کو ملائک ہیں خموش   حشر ہے عشق و محبت کے گنہگاروں کا

جہاں میں حال مرا اس قدر زبوں ہوا   کہ مجھکو دیکھ کے بسمل کو بھی سکون ہوا ۱۵۴
غریب دل نے بہت آرزوئیں پیدا کیں   مگر نصیب کا لکھا کہ سب کا خون ہوا
وہ اپنے حسن سے واقف میں اپنی عقل سے سیر   اُنھوں نے ہوش سنبھالا، مجھے جنون ہوا
امید چشمِ مروت کہاں رہی باقی   ذریعہ باتوں کا جب صرف ٹیلیفون ہوا
نگاہِ گرم کرسمس میں بھی رہی ہم پہ   ہمارے حق میں دسمبر بھی ماہ جون ہوا

جدا رہتا تو ہوں تمسے مگر دل خوش نہیں رہتا   جو بس ہوتا جہاں رہتے ہو تم میں بھی وہیں رہتا ۱۵۵

خوشی تو ایسی کوئی نہ دیکھی، کہ اُس کی مستی زیادہ رہتی ۱۵۶
مگر غم ایسا ہوا مجھے اب، کہ حشر تک ہوش میں نہ ہوں گا
گلوں کی فرقت کے داغ ابتک ہرے ہیں سینے میں اے گلستان
چمن میں میں خاک اُڑا چکا ہوں تو بھول کس دل سے اب چھوٹے گا

پائے رفتار رقہ ہو جاتے ہیں ہم میں پیدا   رہنما بننے کی ہوتی نہیں آنکھیں پیدا ۱۵۷
اُن نگاہوں سے تعلق کی یہ جلدی کیا ہے   حضرتِ دل ابھی کچھ خون تو کرلیں پیدا

غوغائیوں سے اسکے سوا اور کہیں کیا   تاریخ میں سب کچھ ہے یہ بتلاؤ تمھیں کیا ۱۵۹

عبث طولِ امل یہ ہے جناں ہوگا چنیں ہوگا   نہیں ہے دور وہ ساعت کہ تو زیر زمیں ہوگا ۱۶۰

یہ بت مجھے نہیں دیتے امان شکر خدا   خدا کی راہ میں جاتی ہے جان شکرِ خدا ۱۶۱
اجل کے شوق میں پروائے زندگی نہ رہی   نظر میں ہیچ ہے سارا جہان شکرِ خدا

برائے مشقِ ستم پالیا مرے دل کو تو — عجب نہیں جو کرے آسمان شکرِ خدا
وفا نہ کی بُت بیدین نے ہمسے اے اکبر — غلط ہی تھا وہ ہمارا گمان شکرِ خدا

۱۶۲ معنی کو چھوڑ کر جو ہوں نازک بیانیاں — وہ شعر کیا ہے رنگ ہے لفظوں کے خون کا

۱۶۳ نہ رازِ آسماں جانا نہ کچھ حالِ زمیں جانا — ہیں بحثیں بہت اور درحقیقت کچھ نہیں جانا

۱۶۴ دوا جو غیر نے بھیجی ہے وہ ہرگز نہ کھاؤنگا — اگر ہے زندگی باقی تو اچھا ہو ہی جاؤنگا

۱۶۵ موسمِ گل ہی سہی چاکِ گریباں اتنا — کل کچھ اس سے بھی سوا آج تو جی ہاں اتنا
برہمی زلف مصیبت کی ہے حسن رُخ عشق — قدرداں دل ہے تو پھر کیوں ہے پریشاں اتنا

۱۶۶ مری آہوں کو وہ فرعون طینت کچھ نہیں سمجھا — مگر جسکو سمجھ تھی اُس نے موسیٰ آفریں سمجھا

۱۶۷ جو بعد مرنے کے رہگیا کچھ سمجھ سکا یہ کہ مرگیا ہوں
تو زندگی سے نجات پانے کی میں تو بیحد خوشی کروں گا

۱۶۸ خلقت کے لیئے واضع قانون ہی اچھا — جو چل نہ سکے اس پہ وہ مجنون ہی اچھا
کیا سختیٔ موسم جو ہو مطلب کے موافق — ان برف فروشوں کیلئے جون ہی اچھا
دعوت بھی بہت خوب ہے احباب کی خاطر — لیکن جو اڈیٹر ہو تو مضمون ہی اچھا
منطق کو فائدہ کیا ان سینہ کاویوں کا — مطلب میں اپنا جس ہے مذہب ہیں ادیوں کا

۱۷۰ بساطِ جس ہے کم انساں ہوا ہے ناتواں پیدا — اِسی کم مائگی نے کر دیئے کب اور کہاں پیدا
اگر موجِ نفس میں آئیں ہو جنبشِ معنی کی — حباب زندگی ہی سے ہو بحر بیکراں پیدا
کہاں سے اسمیں خو ہے جو ہے آئی میں نہیں واقف — میں جب پیدا ہوا تو ہو چکا تھا آسماں پیـ

۱۷۱ ادھر خیال نہیں مصلحانِ پنشن کا — کہ فرطِ ضعف نہیں وقت آپریشن کا

۱۷۲ کبھی پر جب گذرتی ہے تو اب انکار کیا معنی — جو کوئی دوسرا کہتا تو مشکل سے یقیں آ

حیات اب مجھ سے کہتی ہے کہ میں محجوبہ ہوں اُن نہ — کسی پر بار ہو کر مجھکو رہنا خوش نہیں آتا

۱۷۳ میں کب کہتا ہوں اے واعظ کہ میں نے رازِ دیں سمجھا — فقط اتنا ہی سمجھا ہوں کہ تو بھی کچھ نہیں سمجھا

مگر اظہارِ عجزِ عقل میں بھی ایسی لذت ہے — کہ خوانِ فکر پر میں اسکو نمک اکثر نہیں سمجھا

روشِ ذہنِ بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا — ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

۱۷۴ فنا کے دور میں اس آسماں سے کیا ہوگا — چنیں سے ہوگا چناں پھر چناں کیا ہوگا

۱۷۵ ایمان جیت کر بھی ایمان ہی رہے گا — شیطان ہار کر بھی شیطان ہی رہیگا

۱۷۶ تہذیب میں بٹن جب لگنے لگے جیب دھوتی سے پتلون آگا

ہر پیڑ پر اک پہرا بیٹھا ہر کھیت میں اک قانون اُگا

۱۷۷ اے فلک دل کی ترقی کا جو ساماں ہوتا — طاعتِ حق کا ستارا بھی درخشاں ہوتا

جان لیتا جو شبستانِ فنا کا انجام — صورتِ شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

غنچہ مرجھا کے گرا شاخ سے افسوس نہ کر — کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

ناصحا نالہ و زاری پہ ملامت ہے عبث — چپ بھی ہوتا تو مرا راز نہ پنہاں ہوتا

کس مپرسی کا گلا کچھ نہیں مجھکو اکبر — حال ہی کیا تھا کہ جس کا کوئی پرساں ہوتا

۱۷۸ چمنِ دہر میں مایوس رہا میں اکبر — کاش اک پھول بھی تو زینتِ داماں ہوتا

دنیا کا حسن مجھ سے لاعلم ہے تو باشد — افسوس کیا کہ مجھکو شیطاں نے نہ جانا

۱۷۹ رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا — خدا خالق خدا مالک خدا کا حکم تو کیسا

خزاں پھرتی ہے آنکھوں میں چمن کا کیا مزا آئے — فنا جب ہے نگاہوں میں تو لطفِ رنگ و بو کیسا

مئے گلرنگ سے جس مسلمِ ناداں کو رغبت ہے — خدا جانے نگہ میں اُس کی ہوتا ہے لہو کیسا

گھٹا کر دین کو عزت تری بڑھ سکتی ہے کیونکر — طریقِ کفر میں اے دوست حفظِ آبرو کیسا

اُس کو نہ پاسکا مگر اس غم میں رو سکا — یہ بھی ہے اُس کا فضل کہ اتنا تو ہو سکا ۱۸۰
کوشش یہ تھی خودی کو میں گم کردوں عشق میں — دقّت یہ ہوگئی کہ فقط عقل کھو سکا

*

ہنس کے دنیا میں مرا کوئی کوئی رو کے مرا — زندگی پائی مگر اس نے جو کچھ ہو کے مرا ۱۸۱
جی اُٹھا مرنے سے وہ جسکی خدا پر تھی نظر — جسنے دنیا ہی کو پایا تھا وہ سب کھو کے مرا
تھا لگا روح پہ غفلت سے دوئی کا دھبّا — تھا وہی صوفی صافی جو اسے دھو کے مرا

*

اب غم کا بھی حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا — ہوں مضمحل اتنا کہ بہت رو نہیں سکتا ۱۸۲
افسوس کہ راحت تو مجھے مل نہیں سکتی — اور جان بلا حکم خدا کھو نہیں سکتا

*

خرد سے انکشافِ رازِ ہستی ہو نہیں سکتا — یہ امر اس راز کی عظمت کو لیکن کھو نہیں سکتا ۱۸۳
مجھے آرام وہ بستر تو دروازہ شکستہ ہے — مصیبت دیکھئے نیند آرہی ہے سو نہیں سکتا

*

مرنے والا مر گیا اور رونے والا رو چکا — وائے بر ہستی اگر مقصود ہستی ہو چکا ۱۸۴
اب جنوں سے کام لونگا میں رہِ تحقیق میں — عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا

*

جان بچنے کی نہیں وقت جب آئے گا — دوستی بھی ملک الموت سے ہو جائے تو کیا ۱۸۵
تازگی طبع کی ممکن ہی نہیں ہجر کی شب — قصہ سنکر بہ تکلف کوئی سو جائے تو کیا

*

مرتبہ دنیا میں اس سے بھی سوا ہو آپ کا — یاد رکھیے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا ۱۸۶
شیخ صاحب میں ضرورت سے فقط مجبور ہوں — ورنہ میرا بھی عقیدہ ہے وہی جو آپ کا
ہم کو اپنے ایلبم پر ناز کا ہے کیا محل — بے حد ارزاں ہوگیا ہے اب تو فوٹو آپ کا
آپ کے درشن مصوّر کے بھی حصے میں نہیں — بس لیا جاتا ہے فوٹو ہی سے فوٹو آپ کا
اپنی ہستی پر عبث ہے آپ کو اکبر وثوق — اسکا مالک اور ہی ہے نام ہے گو آپ کا

*

اب تو اس صدی میں نہیں ہمکو کچھ غرض — سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا ۱۸۷

بہرِ خدا جناب یہ دیں ہمکو اطلاع   صاحب کا کیا جواب تھا یا بولے کیا کہا

لگاوٹوں سے یہ دل لبھانا غریب دیکر تباہ کرنا ۱۸۹

غضب ہی ہم کو سمجھ نہ آئی اُنھیں کو آیا نگاہ کرنا

ستم سے وہ دل مرا دکھائیں اور اپنے عشووں کی داد چاہیں

عجب تماشا ہے دل کا رہنا زبان کا واہ واہ کرنا

یہ داغ پر داغ دل کے اندر یہ ناتوانی یہ جانِ مضطر

مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو اداس رہنا اور آہ کرنا

شکلِ تسکیں مرے دل کو مرے اللہ دکھا   راہیں سب بند ہوئیں اپنی طرف راہ دکھا ۱۹۰

چھلکے وہ مہر کہ گم ہوں یہ چراغِ اوہام   نورِ عرفاں سے ہو مملو وہ شبِ ماہ دکھا

آنکھ سو صورتِ فانی نے کیا ہے پُرخوں   چشمِ باطن کو مرے معنیٔ دلخواہ دکھا

خدا کا چاہنا ہی چاہنا ہیں کچھ نہ چاہونگا   جہاں تک ہو سکیگا بندگی کا حق نباہونگا ۱۹۱

ہند میں بُت کو چاہنا ہی پڑا   برہمن سے نباہنا ہی پڑا

اسقدر رو رہے ہو تو ضبط کہاں   دل کو آخر کراہنا ہی پڑا

آپ کے ہاتھ میں ہیں ہاتھ نہیں دے سکتا   داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا ۱۹۳

کل مدح مری وہ کرتے تھے، اور بزم میں میں شرمندہ تھا ۱۹۴

میں کچھ بھی نہ تھا اور تھا بھی اگر، اسوقت میں تھا جب زندہ تھا

تھا کیا ہی سماں تھی کیا ہی وہ شب سینے ہی میں تھے اسبابِ طرب

ہر حرکتِ دل اک نغمہ تھی ہر تارِ نفس سازندہ تھا

گو دیر میں طالب میرے تھے بُت کعبے ہی میں پایا میں نے مفر

اس وقت تو صورت اچھی تھی خطرے کا محل آئندہ تھا
افسوس ہے اُسنے قدر نہ کی اور دل کو مرے برباد کیا
با معنی تھا پائندہ تھا اک گوہر تھا تابندہ تھا

۱۹۵ مانا کہ معذرت سے وہ روبراہ ہو گا — اس سوءِ ظن میں لیکن کب تک نباہ ہو گا
بیدادِ بت کو اکبر سہتا ہے بے تردد — کوئی تو ہے کہ جس سے وہ دادخواہ ہو گا

۱۹۶ جیسی دل میں ترنگ آجائے — عشق و مستی کا قاعدہ کیا
رکھ اپنی نظر سوے ھو اللہ — تو تو میں میں سے فائدہ کیا

۱۹۸ گرم و سرد دہر سے سالک کبھی رکتے نہیں — چلتی رہتی ہیں ہوائیں ماگھ کیا بیساکھ کیا

۲۰۱ تو ہی ہے نازِ مرے دل کا اٹھانے والا — اے جنوں اب میں نہیں آپ میں آنے والا
ہوش اُڑا دیتا ہے ان خاک کے پتلوں کا جمال — خود وہ کیا ہو گا انہیں ہوش میں لانے والا
داغِ دل ہی کا سہارا ہے فقط اے اکبر — قبر پر کوئی نہیں شمع جلانے والا
اپنے غمخانے کا دروازہ کرو بند اکبر — اب نہیں کوئی سوا موت کے آنے والا

۲۰۲ زمانہ میرے زخمِ دل کو ہرگز سی نہیں سکتا — جیوں شاید مگر آرام سے اب جی نہیں سکتا
بشر کو زندگی میں غفلتِ امیدِ فردا ہے — مگر دم بھر بھی اپنے قصد سے وہ جی نہیں سکتا
خدا ہی سے بالآخر کام پڑ جاتا ہے اے اکبر — نہیں ہوتا کسی کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا

۲۰۳ عشق میں حسنِ بیاں وجہِ تسلی نہ ہوا — لفظ چمکا مگر آئینۂ معنی نہ ہوا
دل میں کہتے تھے کہ یہ ہوگا وہ ہوگا لیکن — کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہوا

۲۰۴ غم و تکلیف سے خالی فقط احساس ہستی کا — نہ چشمِ غیر بیں ہو اور نہ سودا خود پرستی کا
یہی حالت ہے جسکی آرزو ہے اہلِ باطن کو — یہی لذت ہے جسکا عرش فلک ہے اوجِ مستی کا

مذہبی جنگ اب ہے دنیا کے لیئے   دین بھی کچھ ہو اگر نقلی تو کیا
نفس ہی کی خواہشوں کا ہے نفاذ   روح نے مذہب کو ڈگری دی تو کیا
آنر و دولت میں خود واعظ ہیں غرق   دوسروں پر نکتہ چینی کی تو کیا
بزم ساقی کی کہاں وہ مستیاں   چھپ کے اکبر نے اگر پی بھی تو کیا

۲۰۷ اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا   مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا
میں آہ کر نہ سکا ضبط کی ہوئی تعریف   رہونگا شکر گذار اپنی ناتوانی کا
بعید روح کے خالق سے ہی ملاکی شوق   اگرچہ حق ہو اُسے ناز لن ترانی کا
سوا خدا کے کسی کا خیال آ نہ سکا   غموں نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

۲۰۸ یہ بات ہی صاف مجھ سے سُن لے کتاب میں اسکو کیا پڑھے گا
حدودِ دنیا کے ہیں معیّن جو یہ گھٹے گا تو وہ بڑھے گا

خدا کی یاد میں گو جان کو ہو شوق مستی کا   بدن کو کیا کریں جو ہر ہے جسمیں بت پرستی کا

۲۰۹ جو اہلِ دنیا کا رُخ کروگے سکون خاطر کبھی نہ ہوگا
شریک غفلت بہت ملیں گے شریک عبرت کوئی نہ ہوگا
یہی ہے مذہب کا جزو اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدّم
نئے طریقے میں لیکن اے دوست ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

۲۱۲ حالِ دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعوی   دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا

۲۱۶ ہو بدگماں جو وہ بت پروا نہیں کچھ اسکی   ہر برہمن ہے شیدا اکبر کی کافری کا

۲۱۷ حُسن دیکھو بتانِ کاشی کا   چہرہ ہے چاند پورنماشی کا
چشم تر دیکھکر وہ مس بولی   محکمہ ہے یہ آب پاشی کا

آپ کی تمن واہ صلِّ علےٰ — سارا فتنہ ہے ان حواشی کا
ہوگیا فیصل امتحانوں میں — اب ارادہ ہے بدمعاشی کا

۲۱۹ پوچھوگے جب فلک سے تمسے یہی کہے گا — جو تھا نہ رہگیا وہ، جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہوں گے حباب بھر کر یوں ہی فنا ہمیشہ — موجیں گھٹیں بڑھیں گی دریا یونہیں بہیگا
ذکرِ خدا کا ہوگا جس دل کو ذوق اکبر — وہ مطمئن رہے گا غم بھی اگر سہے گا

۲۲۰ علامت روحِ شخصی کی ہوئی کس شے سے تھی پیدا
حوادث یہ کہاں تھے اب ہوئی جن سے خودی پیدا
نگاہیں ہوں تو ویرانے میں بھی آبادیاں دیکھیں
اگر دل ہو تو ہر پہلو سے کر لے دل لگی پیدا

۲۲۱ کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا — فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا

۲۲۳ لکھو لا لُطفِ مری ایام جوانی کے سوا — سب بتا دونگا تمھیں "افسردہ دانی" کے سوا

۲۲۵ خیر اُنکو کچھ نہ آئے پھانس لینے کے سوا — مجھکو اب کرنا ہی کیا ہے سانس لینے کے سوا
تھی شبِ تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے — کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

۲۲۸ جو ہے بلند باطن پستی سے وہ بچے گا — گو پستیوں میں پائے افزونیٔ مراتب
ہرچند شیر عاجز اور طالبِ غذا ہو — لیکن نہ کھا سکے گا کتوں کے ساتھ راتب

۲۲۹ یہ اُسے کرتی ہے روشن وہ مٹاتا ہی اُسے — رات سے پوچھو کہ بہتر شمع ہے یا آفتاب

۲۳۰ محاورات کو بدلیں "براہ ریل" جناب — "ٹکٹ بدست" کہیں اب بجائے پا بہ رکاب

۲۳۱ پہلے تھا نورِ عرفانِ خالق سے لو لگی تھی — قومی مباحثوں سے روشن ہوا دماغ اب
وقعت یہ اب ہیں نازاں سوزِ گدازِ رخصت — قبلاً سکے شمع تھے وہ ہیں بعل شبِ چراغ اب

نزع میں انسان سکھ پائے تو خوب — زندگی مرنے کے کام آئے تو خوب ۲۳۲

×

پنجۂ شیخ سے نکلے تو پریشاں ہیں اب — ٹوٹی تسبیح کے دانے یہ مسلماں ہیں اب ۲۳۳

×

ضبط کی تکلیف جو کچھ ہو اُسے سہہ لونگا اب — جو مجھے کہنا ہو دل ہی میں اُسے کہہ لونگا اب ۲۳۴

×

ہر دم خیال رکھے حق کا اگر ہے طالب — ہر سانس کھینچتی ہے جان آفریں کی جانب ۲۳۵

×

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے اے جناب — خضر سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ ۱۳۶

بالائے عرش ہیں کہ تہِ آسماں ہیں آپ — دعوے سے قبل دیکھ تو لیجے کہاں ہیں آپ

×

کیا جرم ہے یہ حال تو جانے خدائے موت — ہر نفس کے لیے ہے گھڑیاں سزائے موت ۲۳۸

کہتی ہے عقل موت یہ ہے بہرِ زندگی — وہ زندگی کہ جو نہیں ہوگی برائے موت

دُنیا کی زندگی تو ہے اک جزوِ موت ہی — اسکا نتیجہ ہو نہیں سکتا سوائے موت

سانچا یہ زندگی ہے فقط روح کے لیے — جب ڈھل چکے تو سانچے کو جائز ہے آئے موت

کیسے ڈھلی اسی کا ہے لازم ہمیں خیال — نعمت بنائیں موت کو کیوں ہو جفائے موت

ہوتا ہے غم ضرور مگر کچھ ہے مصلحت — اللہ کردے طبع کو راز آشنائے موت

×

ماضیست کہنہ نقشے مستقبلست وہمے — در حالش ار نہ بینی لے وائے بر نگاہت ۲۳۹

×

بگذار بہ حالِ خودم اے بزمِ تعلّی — عبرت زدہ را کار بہ آموزدگاں نیست ۲۴۰

×

اگرچہ ذکرِ شہادت پہ جان دیتے ہیں — جو دیکھئے تو ہیں آرام جو حیات پرست ۲۴۱

وہ تیتری ہے یہ بلبل وہ گونج بھونرے کی — بہار باغ نے پیدا کئے نبات پرست

×

ایں فتنہ کہ برپا شدہ وایں شور کہ برخاست — الزام بہ گردوں منہ از ماست کہ برماست ۲۴۲

×

وعظ کہنے کو تو موجود ہیں اکبر لیکن — کیا اثر رکھتی ہے اسوقت مسلمان کی بات ۲۴۳

کبھی دیتا ہوں تبھی کو میں عدوئے دل دیں ✓ — آہی جاتی ہے زباں پر کبھی ایمان کی بات

۲۴۴ شرطِ انساں کو سلیقہ ہی سخن گوئی میں — باغباں سے ہو مخاطب تو کرے پھول کی بات
عقلمندی نہیں دیوانۂ دنیا ہونا — نہ کرو رد یہ ہی اک بندۂ مقبول کی بات
پروفیسروں سے ہمیں کچھ نہیں حاصل اکبر — دلِ عاشق ہیں سماتی نہیں اسکول کی بات

۲۴۵ مغربی ذوق ہی اور وضع کی پابندی بھی — اونٹ پر چڑھ کے تھیئٹر کو چلے ہیں حضرت

۲۴۶ معترض بھی کوئی حق گو کبھی ہو جاتا ہے — مگر اس بزم میں یہ ہی کہ جی ہاں ہی بہت
وعظِ تقویٰ نہ کہو رحم کرو اکبر پر — چشم بد دور ابھی طاقتِ عصیاں ہی بہت

۲۴۸ حالِ ما ماضی نشد مستقبلِ ما حالِ ماست — ہستیٔ دارم کہ ہر دم گم بہ ہستیٔ خداست

۲۴۹ مشربِ مرا قناعت مذہب مرا طریقت — ملئے اگر تو خادم رہ گئے اگر تو رخصت

۲۵۱ عقلِ زاہد عشقِ صوفی میں بس اتنا فرق ہی — اسکو خوفِ آخرت ہی اسکو ذوقِ آخرت

۲۵۲ از کمیٹیِ طمعِ جلسہ نداریم اکبر — شعرم اندر پسِ من مدح سرایم بابیت

۲۵۳ بھائیو تم کبھی ہندی کے مخالف نہ بنو — بعد مرنیکے کھلے گا کہ یہ تھی کام کی بات
بسکہ تھا نامۂ اعمال مرا ہندی میں — کوئی پڑھ ہی نہ سکا مل گئی فی الفور نجات

۲۵۴ جی کے مرنے میں کیا ہی ناز کی بات — مر کے جینا ہی امتیاز کی بات
چاہتی تھی زباں کرے توضیح — دل پکارا کہ ہی یہ راز کی بات

۲۵۵ اس سے بڑھکر کون ہی راہِ فنا میں بیقرار — حصر کی حد سے ہی باہر تیزیٔ رفتارِ وقت

۲۵۶ اٹھتی ہیں تجھ سے یہ آہیں دلِ ناشاد عبث — سننے والا نہیں کوئی تو ہے فریاد عبث
چرخ کہتا ہے ضروری ہی تڑپنے کے لیئے — ورنہ گذری ہوئی باتوں کی ہی اب یاد عبث

۲۶۰ شیخ آنر کے لیے آتے ہیں میدان کے بیچ — ووٹ ہاتھوں میں ہی اسپیچ قلمدان کے بیچ
وہی قسمت ہی قانون اور اسپریہ ہیبیٹر — اے خدا عقل ہی حیران تری شان کے بیچ

۲۶۱ عابدوں کے دم سے ہی یہ رونقِ دربارِ صبح — نعرۂ تکبیر سے ہے گرمیٔ بازارِ صبح
جھانکتا ہی اسکی جانب دور سے مہرِ مبیں — خوش نصیب آنکھیں وہ ہیں جن پر کھلیں اسرارِ صبح

۲۶۲ یوں تو ہر شے پہ اداسی سی نظر آتی ہے — کس مپرسی میں کوئی شے نہیں مذہب کی طرح

۲۶۲ مولوی گو کہ ہیں شمس العلما پھر بھی ہیں سست — رینگتے پھرتے ہیں پروانۂ بے شب کی طرح

۲۶۳ جسم میں پایا تو کبھی تھا شوق سے ہیجان روح — یا تعلق جسم سے اب ہو گیا سوہانِ روح
عقلِ انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں — روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہی جانِ روح

۲۶۴ گراں نظر پہ ہی مسجد کا یا ادب سجدہ — وہ بے خطر ہے جو ہے بزم میں زباں گستاخ
دلوں کا زور نہ باقی ہے خدا کی طرف — اسی سے لیگ میں جائز ہی زباں گستاخ

۲۶۵ زباں ہی ناتوانی سے اگر بند — مرے دل پر نہیں معنی کے در بند
ہماری بیکسی کب تک چھپے گی — خدا پر تو نہیں راہِ خبر بند
یہ یادِ رُخِ یارانِ نظر بند — کیا ہمنے بھی اب ملنے کا در بند
دلوں میں درد ہی کی کچھ کمی ہو — نہیں ہی راہ پر آہِ اثر بند
بُتِ مشرق نہیں محتاجِ ساماں — کمر ہی جب نہیں کیسا کمر بند
کہونگا مرثیہ اس غم میں ایسا — کھُلے معنی دکھائے جسکا ہر بند
خیالِ چشمِ فتاں میں ہوا محو — مرا دل اب ہی سینے میں نظر بند

۲۶۷ بہ کارِ دیں ہم آمادہ دلِ پرجوش من باشد[۵۱] — مسلماں می شوم سلماں چو در آغوش من باشد

۲۶۸ زباں بند ہے اِس عہد پر نگاہ کے بعد — سکوت ہی مجھے رہتا ہی اب تو آہ کے بعد
رُکا ہوا ہی جو سائنس لا الہ کے بعد — خدا کو مان ہی لیگا زوالِ جاہ کے بعد
شگفتہ پایا طبیعت کو بعدِ کارِ ثواب — دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

۵۱۔ یہ شعر معما ہے

تمہارے عارضِ روشن نے کھولدیں آنکھیں — بس کہہ رہا تھا کہ اب کیا ہی مہر وماہ کے بعد

۲۶۹ ہی منتظمِ جہان کا پروردگار خود — حیرت میں ہیں عبث ادبِ بے اختیار خود

۲۷۰ عزتِ اکبر نہ مثلِ برہمن در دیر بود — قشقہ بودش بر جبیں لیکن ز دستِ غیر بود

۲۷۱ مارا ازیں چہ کار بہ جبرمن چہ می رود — دریاب از نگاہ کہ برمن چہ می رود

۲۷۲ ہوائے گلشنِ طبعِ تو دلکش است اکبر — کہ از گلِ سخنت بوئے یار مے آید

۲۷۵ بہ ظاہر تھا براقِ راہِ عرفاں — چو دم برداشتم لیڈر بر آمد

۲۷۷ گو رہتے ہیں ممبر بھی فانی پر شاد — لیکن نہیں اپنی ناتوانی پر شاد
کونسل میں بڑھاپے میں طاقت اپنی — عاقل ہیں مکرّمی بھوانی پرشاد

۲۷۸ علم ہم از عشق یک اظہار بود — چشم بر زلف و دہانِ یار بود

۲۸۲ مرنے والے ہی کو عزرائیل آتے ہیں نظر — دوسرے دیکھیں تو برپا ہو بڑا دنگا فساد
پادری سے وہ ملے پہلے تو کیا شیخ کو عذر — دیکھئے پیر کا منبر تو ہے اتوار کے بعد

۲۸۲ میری سمجھ میں تو یہی آیا نظر کے بعد — تفتیش علتوں کی یہاں ہی اثر کے بعد
کچھ روک مقتدائی کسی سے نہ ہو سکی — ترکیب سوچتے ہیں مگر کب خبر کے بعد

۲۸۴ غافل یہاں کے لذت و آرام پر نہ ہو — دنیا میں ہائے ہائے بہت ہی مرنے کے بعد
اک اضطراب دل کو مرے کر گیا خراب — کیا پوچھتے ہو حالِ زمیں زلزلے کے بعد

۲۸۶ مجھکو تو اکبر کا یہ مصرعہ رہا کرتا ہی ورد — جمع ہیں اولادِ آدم ہند کے گیہوں کے گرد

۲۸۹ نہ تنہا وجد میں بلبل ہی میری خوش بیانی پر — گریباں چاک گل بھی ہی مرے رنگِ معانی پر
تری چوٹی جو پہنچی ایڑیوں تک بس یہ چھیڑ لیا — یہ پابوسی تو واجب تھی بلائے آسمانی پر

۲۹۰ جمتا نہیں یقین کوئی میرے ہوش پر — کاموں کی یاں بنا ہی فقط دل کے جوش پر

کیونکر دلیل دیکھ سکے اُس جمال کو ــ جسکا خیال برق گراتا ہے ہوش پر
تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر ۲۹۱
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر
گو تیرا عمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اُس پہ درِ تاثیر نہ کر
باطن میں اُبھر کر ضبط فغاں، لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
تو خاک میں مِل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

بینا وہ ہے کہ مستی ہو اوج معرفت پر ــ جینا وہ ہے کہ جو ہو اُمید آخرت پر ۲۹۲
کیا ہو بنائے الفت آخر مناسبت کیا ــ میں خاک بیکسی پر وہ تختِ سلطنت پر
قیامت ہی یہ ضدِ ضبطِ فغاں ہی اسلئے مجھکو ــ کہیں نالاں نہو میری مصیبت اپنی شدت پر ۲۹۳
زبان و چشم و دل و دست و پا سے کام لو ایسے ــ کہ روزِ حشر نازاں ہوں یہ اپنی اپنی حالت پر
اثر اسکا ہی کم ہم بادۂ وحدت کے مستوں پر ــ عدو نے فتح پائی ہی تو تم سے بت پرستوں پر ۳۹۴
بہت مشکل ہی نو عمروں کا بچنا اسکے عشووں سے ــ نئی آنکھوں کے آگے آتی ہی دنیا نئی ہو کر ۲۹۵
نازاں اس ظاہر طہارت پر نہ اے مغرور کر ــ حرص دنیا خود نجس ہی یہ نجاست دور کر ۲۹۸
تمہارے کھیت سے لیجاتے ہیں بندر چنے کیونکر ــ یہ بحث اچھی ہی اس سے حضرتِ آدم بنے کیونکر ۲۹۹
گلا جورِ فلک کا تو بہت کچھ رو چکا اکبر ــ سرِ تسلیم خم کر زورِ بازو ہو چکا اکبر ۳۰۰
نہ پوچھو کیا اثر اس مصرعہ اکبر کا ہے ہم پر ــ ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر ۳۱۱

۴۱۲ فلسفی بھی نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پر — پاتے ہیں معلوم کی بنیاد نا معلوم پر

۴۱۳ مجھکو جائز نہیں یہ عرض کہ بیداد نہ کر — انکو زیبا ہے یہ ارشاد کہ فریاد نہ کر
شیخ کہتے ہیں کہ پیرونکی پرستش بھی ہو فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کو بھی یاد نہ کر
وحشت انگیز ترقی ہو تہ چرخ اسوقت — تو بگولا نہ بن اور عمر کو برباد نہ کر

۴۱۵ حسنِ سنبل سے جو ہو زلفِ بتاں کا سودا — چھوڑ دے سیرِ چمن کفر کی امداد نہ کر

جواہر ریزیاں میری زباں کی — زمیں بھی سن رہی ہو کان بنکر
جو قالب بن گئی ہو یہ تو مٹی — یہ کیا شے ہو جو چمکی جان بنکر
پے شوقِ بقا تھا خانۂ دل — فنا کیوں بس گئی ارمان بنکر

۴۱۶ وہ دولت کیا رہی دو دن جو تجھسے متصل ہو کر — ترقی تو وہ ہو رہجائے دل میں جزو دل ہو کر
ہوائے نفس کے تابع ہیں جنکے جسم اے اکبر — انھیں کی روح رہتی ہو بدن میں مضمحل ہو کر

۴۱۰ فلک منزل ہو گئی ان کا گذرنا دیکھکر — زندہ دل میں ہو گیا اور روں کا مرنا دیکھکر
آسماں کی چھت بہت نیچی سرِ نخوت کو ہے — کبر سے کہہ دو کہ دنیا میں ابھرنا دیکھکر
زیست بے وقعت ہوئی ہو بے شوقِ زیست — موت حیراں ہو مرا مرنے سے ڈرنا دیکھکر

۴۲۰ قصد تو جائز ہے لیکن اپنا قابو دیکھکر — ہاتھ اٹھانا چاہیے انساں کو بازو دیکھکر

۴۲۲ بھروسا باغِ ہستی میں نہیں کچھ نخلِ قامت کا — نفس کیا ہو ہوا کی بیل ہو دھوکے کی ٹٹی پر

۴۲۴ مبتلائے بحث کو رازِ حقیقت کی کیا خبر — معنیٔ بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
پا یا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اسمیں شریک — ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

۴۲۵ ظاہر ہوئی کمیٹی و کالج کی اک لکیر — آخر اسی لکیر کے سب ہو گئے فقیر
مرکز جو فطرتی تھے انھیں اب نہیں قرار — چکر میں خود پھنسے ہیں ہمارے امیر و پیر



...توجہ ہے رات پہ — ختم لیکن ہو کے رہجاتا ہے میری ذات پر ۳۲۸

...ہیں تجھکو وہ بڑی کہکر — میں اٹھ ہی آتا ہوں الفاظِ عاجزی کہکر ۳۲۹

فطرت کی یہ سازش دیکھو ذرا الزام نہ دے پھنس جانے پر ۳۳۰

یہ سوچ پڑی طائر کی نظر کیوں دام سے پہلے دانے پر

مشکل ہی کیا ہے گر نہ پائے بتاں یہ رو کر — لیکن میں پاؤں گا کیا اپنا وقار کھو کر ۳۳۱

میں کیا پاؤنگا اکبر بتکدے میں حاضری دیکر — یہ بت رہجائینگے تھوڑی سی دادِ کافری دیکر ۳۳۲

کہاں تک اہلِ دنیا سے کروگے معذرت اکبر — یہی بہتر ہے چلدو اک جوابِ آخری دیکر

جب مسرت منحصر ہو سعیِ کفر آمیز پر — صبر کرنا چاہیے حالاتِ درد انگیز پر ۳۳۳

ہستی ہیں ہے مستیِ وحدت میں فنا ہو کر — عالم کو میں کیوں دیکھوں عالم سے جدا ہو کر ۳۳۴

فتوائے خرد جو ہو دل کی تو صدا یہ ہے — فانی ہے جدا ہو کر باقی ہے خدا ہو کر

مزا ہے عالمِ حیرت میں پاک طینت کو — عجیب نور برستا ہے چشمِ نرگس پر ۳۳۵

فروغِ دل جو ہو منظور بزمِ ہستی میں — اشارہ شعلے کا دیکھ اور ہوا کی سن وہسپر (Whisper)

چشمِ بد دور آپ تو ہیں آپ ہی اپنی نظیر — ناتوانی سے غلام اور علم سے روشن ضمیر ۳۳۶

اکبر خدا کو مان زمان و مکاں کو چھوڑ — عرفاں کا ذوق اگر ہے تو کب اور کہاں کو چھوڑ ۳۳۷

پابند کر نہ ساعت و ساحت کا ذہن کو — دارِ فنا میں حسرتِ نام و نشاں کو چھوڑ

رنگِ زمانہ رائے کی کثرت سے [illegible] — سارا جہاں ہو شرک تو سارے جہاں کو چھوڑ

مسجد نے کہا منبر افسانا بھی ہے اک چیز — کالج نے پکارا کہ زمانا بھی ہے اک چیز ۳۳۸

واعظ کی بلاغت بھی بڑی چیز ہے لیکن — سچ بات یہ ہے دل میں سمانا بھی ہے اک چیز

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانے میں جسے — ذہنِ انسانی میں ویسا ہی اتر آتا ہے عکس

یہ مواقع ہیں کہ ہو جاتے ہیں وجہ اختلاف — آئینے کا رخ جہاں بدلا بدل جاتا ہے عکس

۳۴۹ چیستی اکبر بگو مجموعۂ اعمالِ خویش — بعد ازاں بنگر بیادِ آخرت در حالِ خویش

۳۵۱ ہے یہ رفتارِ جہاں کونسی حالت کی طرف — بس جواب اسکا یہی ہو کہ قیامت کی طرف

۳۵۲ وضع و روشِ اطفال کی ہے قوم پہ بارِ گراں — رسموں کا شکوہ اک طرف مذہب کا رونا اک طرف
کہتے ہیں لڑکے بھی مگر کالج سے فرصت ہی کہاں — یہ ساری باتیں اک طرف اور پاس ہونا اک طرف

۳۵۳ نشاطِ طبع پہ تھی خوبیٔ بیاں موقوف — دلِ فگار نے کی شوخیٔ زباں موقوف

۳۵۴ الاماں اے زخمِ دل اے شدتِ سوزِ فراق — المدد اے مرگ مجھ پر زندگانی اب ہے شاق
روشنیٔ طبع وہ مجھ میں کہاں ہے دوستو — شمعِ مردہ ہوں مجھے رہنے دو اب بالائے طاق

۳۵۸ یہ سوز داغِ دل یہ شدتِ رنج و الم کب تک — ہمارے ہی لیے یہ جورِ گردوں ہے تو ہم کب تک
یہ دفتر ختم ہو ہی گا بھلا ہی دیگا دہر اسکو — یہ حس کب تک نظر کب تک زباں کب تک قلم کب تک
جو ہیں اہلِ بصیرت کہتے ہیں اکثر یہ اکبر سے — غنیمت ہے ترا دم ہند میں لیکن یہ دم کب تک

۳۵۹ نگاہِ اولیں کے دام میں الجھی ہے اک دنیا — نصیبِ ہر نظر کب ہے پہنچنا حدِ حیرت تک

۳۶۲ من از تیغِ جفائے چرخِ گرداں گشتہ ام بسمل — مخواں مارا بہ بزمِ عیشِ خود اے منعمِ غافل
ترا سرو است شمشاد است ما را آہ و فریاد است — ترا باغیست اندر دہ مرا داغیست اندر دل

۳۶۳ کوئی سنتا نہیں تیری تو اس بکنے کا کیا حاصل — کوئی منزل نہیں در پیش پھر تکنے کا کیا حاصل
اشارہ چشمِ شوقِ مشرقی سے ہے یہ مغرب کا — جو قوت ہو تو بسم اللہ منہ تکنے کا کیا حاصل

۳۶۵ کھلتا بہت سکوت سے رنگِ بہارِ دل — لیکن نہ اٹھ سکے گا خموشی سے بارِ دل

۳۶۶ کچھ نہ سمجھا شبِ فراق کا حال — کھل گیا یار کے مذاق کا حال
اعتبار آپ کو نہ آئے گا — کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال

فکر ہے دنیائے فانی کی خلافِ شانِ دل — کیجئے ذکرِ خدا سے حاصلِ اطمینانِ دل ٣٦٧
یار نے پوچھا میں کیا ہوں دل سے نکلی یہ صدا — حاصلِ دل مقصدِ دل مطلبِ دل جانِ دل

سر تراشا انکا، کاٹا ان کا پانوں تو — وہ ہوئے ٹھنڈے گئے یہ بھی پگھل ٣٦٨
شیخ کو یخ کر دیا مومن کو موم تو — دونوں کی حالت گئی آخر بدل

واعظا ہیں نہ جنونِ ست نہ کافر شدہ ام — اوّلت ناشدہ ختم است و من آخر شدہ ام ٣٧٢
کر دیں جو بیکسوں سے ذرا یہ غرور کم — جب بھی نہیں رہیں گے کسی سے حضور کم ٣٧٤
دکھا رہی ہے یہ ترکیب حسنِ طبع سلیم — علی کی تم میں جگہ ہو تو بس وہ ہے تعلیم ٣٧٦

عقل مذہب سے دوستی رکھے — نہ تو دشمن ہو اسکی اور نہ غلام ٣٧٧

زبان علم کی گو متبع ہے وقتِ کلام — مگر یہ تابعِ حکمت نہیں ہر وقتِ طعام ٣٧٨

کبھی اسلام لائے تھے کہ ہو دینِ خدا قائم — اور اب مشرب بدلتے ہیں کہ ہو اپنا جھجھا قائم ٣٨٠

بت پوچھتے ہیں مجھ سے کیوں اللہ اللہ کرم — میرا جواب یہ ہے دائم چہ را نگویم ٣٨١

مولوی ہو ہی چکے تھے نذرِ کالج اس سے قبل — خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہوا انکا انہدام ٣٨٢
لکچر مضمون لکھتے ہیں تصوف کے خلاف — الوداع اے ذوقِ باطن الوداع اے فیضِ عام

بند ڈابے میں تھے وہ بنگلے پر — صبح کے وقت ہنس پڑی اک میم ٣٨٣
جب وہ بولے بجائے کو کروں کوں — مرغِ شاخِ درخت لا ھو تیم

اب جسم میں باقی ہے مسرت کا لہو کم — احباب میں مرحوم بہت سلمہ کم ٣٨٤

اِس دارِ فنا کی بحثوں میں کیا صرفِ زباں کیا صرفِ قلم ٣٨٥
دنیا کو بقا کیا اے اکبر گئے دن کی خوشی گئے دن کا الم
دم بھر میں نشاطِ طبع فنا اک آن میں نازِ جاہ ہوا

کیا بزمِ طرب کیا شانِ شہی کیا بربط و دف کیا طبل و علم

۳۸۶ کوئی موقع نہیں ہے بننے کا　　سب کو معلوم ہو کہ میں کیا ہوں
ہوگئی ہے امیدِ مرگ قوی　　کل کی نسبت تو آج اچھا ہوں

۳۸۷ دست بستہ پا شکستہ دل فسردہ لب پہ مُہر　　کچھ نہ کچھ کرتا ہی ہر اک اے خدا میں کیا کروں
یہ دلِ بیتاب مجھکو کر رہا ہے کیوں تباہ　　ہوگئی اک بات بس تھا حکمِ قضا میں کیا کروں
نزع میں پیکِ اجل سے کہہ رہا تھا اک حسیں　　تو قضا لایا ہی سر پر اب ادا میں کیا کروں
شکوۂ بیداد کرتا ہوں تو کہتا ہے فلک　　خود بخود مجھ سے ٹپکتی ہی جفا میں کیا کروں

۳۸۸ حُسنِ فانی کے لیئے میرا درِ دل وا نہیں　　نازِ عکسِ بے بقا آنکھوں سے اب اُٹھتا نہیں

۳۸۹ یہ شاعر رنگِ شب کو گیسوے لیلے ابھی کہتے ہیں　　یہی حُسنِ تصور ہی جسے سودا ابھی کہتے ہیں
بتوں کے ناز پر اس عہد میں لازم ہی خاموشی　　بُرا کہتے ہیں دشمن انکو تو دشمن اچھا بھی کہتے ہیں

۳۹۰ جہاں سوئی گھڑی کی ہوتی تھی وقت اسکو کہتے تھے　　گئی چوری تو ہم سمجھے زمانا اسکو کہتے ہیں

۳۹۴ میں اپنے آپ میں ان شاعروں میں فرق پاتا ہوں　　سخن اُنسے سنورتا ہی سخن سے میں سنورتا ہوں

۳۹۶ نہیں ہی گو مرے پائے ثبات کو لغزش　　ہوائے دہر سے میں دمبدم پگھلتا ہوں
بسانِ شمع فروغ اپنا ہی ہر اک پہ عیاں　　مگر مجھی کو فقط ہے یہ حس کہ جلتا ہوں

۳۹۷ کوئی مونس نہیں ہی بیکسی میں جان کھوتا ہوں　　جو روتے میرے مرنے پر انھیں کو اب میں روتا ہوں

۳۹۸ یہ شانِ بے نیازی اور یہ ہنگامۂ فطرت　　گِلا کیا مرگِ ہاشم کا وہی کیا تھا ہمیں کیا ہیں

۳۹۹ جان دینا منع ہی اور دل سے غم ٹلتا نہیں　　سانس لیتا ہوں مگر کام اس سے کچھ چلتا نہیں
تپ نہونے سے نہ سمجھو یہ کہ میں راحت میں ہوں　　دل میں انگارے بھرے ہیں گو بدن جلتا نہیں
یہ بتِ خود بیں خلافِ اکبر کے جو چاہیں کہیں　　کفر کے سانچے میں تو با تفعل وہ ڈھلتا نہیں

تمھارا اور ان پھلوں کا مجھ پر نہیں کچھ احساں اے درختو ٤٠٠
خدا اُگاتا ہے اُگ رہے ہو خدا کھلاتا ہے کھا رہا ہوں

مجھ سے رکتی ہے تو میں شیدائے دنیا کیوں ہوں — یاس کا جب دور ہے محو تمنا کیوں ہوں ٤٠٢
ہمنشینی خلق کی ہے اب تو وحشت آفریں — اک زمانے میں یہ سودا تھا کہ تنہا کیوں ہوں
خوب مصرعہ ہے مگر کسکی زباں سے ہو ادا — یا رہوں عزاز سے دنیا میں یا پیدا کیوں ہوں
اب ہے بیماری اکبر میرا شغل زندگی — جب فقط مرنا ہی باقی ہے تو اچھا کیوں ہوں

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں — لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں ٤٠٣

میں جسکے خامۂ قدرت کا نقش حیرت افزا ہوں — وہی جانے کہ وہ کیا ہے وہی جانے کہ میں کیا ہوں ٤٠٤
کوئی سنتا نہیں میری تو پھر اسکی شکایت کیا — میں ہی کیا کر سکا ہوں آجتک اور سب کی سنتا ہوں
جناب حضرت اکبر کی کوئی نبض تو دیکھے — یہ کہنے کو تو ہر حالت میں کہہ دیتے ہیں اچھا ہوں

قدرت کا رنگ دیکھ نہ ڈھونڈھ اسکی ماہیت — تصویر کو ٹٹولنے میں کچھ مزا نہیں ٤٠٦

آخرت کے لیے کافی ہے فقط ذکر خدا — سوشل اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہیں ٤٠٨
اس موت کے آگے اے اکبر مشغولیٔ دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھتے تھے ابھی دم بھر میں جو دیکھا کچھ بھی نہیں
تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا کہ
اللہ ہی کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں — کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بے کھلے مرجھا گئیں ٤١١
ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں

بحثوں کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں الف ٤١١

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک کھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

۴۱۲ کیوں مجھ سے پوچھتے ہیں وہ کیا چاہتا ہوں میں
کیا دیکھتے نہیں کہ مرا چاہتا ہوں میں

۴۱۳ تجھے ہم شاعروں میں کیوں نہ اکبر منتخب سمجھیں
بیاں ایسا کہ دل مانے زباں ایسی کہ سب سمجھیں
نتیجے ترک خودداری کے سب پر ہو گئے ظاہر
ترقی خواہ ملت جب سمجھے تھے تواب سمجھیں

۴۱۴ شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں
اب تو ہم مصلحتاً اُن کا ادب کرتے ہیں
طلب جاہ پہ وہ کرتے ہیں کس کو مجبور
سچ تو یہ ہے کہ ہمیں لوگ غضب کرتے ہیں

۴۱۸ یہ انقلاب بھی ہے اور آنجناب بھی ہیں
میں دیکھتا ہوں کہ موجیں بھی ہیں حباب بھی ہیں
ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب
کہ وہ وسیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں
عجب اصول ہیں رندان عشق کے اکبر
گناہ کرتے ہیں اور طالب ثواب بھی ہیں

۴۱۹ ہوٹل میں جو وہ مطلوب رہے اسٹیج پہ یہ مرغوب رہیں
اُن کے بھی قوافی خوب ملے اُنکی بھی ردیفیں خوب رہیں

۴۲۱ تمکو مبارک یہ ہوس جو ہم کہیں وہ سب کہیں
ہم کو تو ہے اسمیں مفر سب کی سنیں یارب کہیں
سورج تو ہے لیکن نہاں ظلمت کے اندر ہے جہاں
تقویم میں تم دن پڑھو ہم حس کے اندر شب کہیں

۴۲۲ آج کل اس انجمن کے کچھ عجب اسلوب ہیں
میں جو کہتا خوب ہوں وہ چپ بھی کرتے خوب ہیں

۴۲۴ جو شیخ کی ہے یہ خود فروشی کروں کہاں تک میں عیب پوشی
یہ اتنی دنیا سے گرمجوشی حرم میں وہ ہیں کہ شاپ میں ہیں
زمیں کی کوئی کرے نہ چوری بڑھی ہے انجنیری کی ڈوری
اسی کے پیوند ہوں گے آخر ابھی تو مصروف ناپ میں ہیں

گو بہت اونچی ہی پرواز حریف — شیخ بڑگڈ کم نہیں ہیں جم بپا میں ۴۲۵
اُن کا طوطی بولتا ہی عرش پر — ان کی مرغی بولتی ہی کمپ میں

کسی سے وہ محبت ہو محبت جسکو کہتے ہیں — پھر اُس سے ایسی فرقت ہو کہ فرقت جسکو کہتے ہیں ۴۲۶
دلی حالات کا اندازہ ہو اُسوقت غافل کو — مصیبت ہی نہیں دیکھی مصیبت جسکو کہتے ہیں

بوئے شگفتگی سے مگر بات کی نہیں — خواہش مجھے اب اُنسے ملاقات کی نہیں ۴۲۷
میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانیے — الفاظ کی کمی ہے خیالات کی نہیں
اسکے سوا کہ شکر کا موقع نہیں ملا — مجھکو شکایت اُنسے کسی بات کی نہیں

شعر اکبر میں کوئی کشف و کرامات نہیں — دل پہ گذری ہوئی ہی اور کوئی بات نہیں ۴۲۸

دل کو اک غم نے گھیر رکھا ہے — کیا کسی سمت التفات کروں ۴۲۹
ہمنشین مجھ سے کچھ نہ پوچھ اس وقت — جی نہیں چاہتا کہ بات کروں

کیوں گفتگو کسی کو ہو اس ٹھیک بات میں — شیخی زبان میں ہی حکومت ہے ہات میں ۴۳۰

حسنِ فانی جو لبھائے اُسے بت کہتے ہیں — گذران فصل دلاویز کو رُت کہتے ہیں ۴۳۱

کیا عذر قوم کو ہے ترقی کی بات میں — رغبت کے ساتھ خود ہی وہ لیڈر کے ہات میں ۴۳۲
تعلیم دختران سے یہ اُمید ہے ضرور — ناچے دُلھن خوشی سے خود اپنی برات میں

سیر ہوں سیر سے اس وارِ کُہن کی اکبر — اب یہاں میرے لیے کوئی نئی بات نہیں ۴۳۳

بسے بڑگڈ میں مغرب کی رفاقت اسکو کہتے ہیں — ہوئے مدفون تکیے میں اصالت اسکو کہتے ہیں ۴۳۴

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں — اثر ہو سُننے والے پر بلاغت اسکو کہتے ہیں ۴۳۵

مایوس ہوں مریض غم لاعلاج ہوں — کل بھی جیا تو کیا وہی ہونگا جو آج ہوں ۴۳۶
افسردہ ہو کے کہتی ہے گل کی زبان حال — صرصر سے کیا کہوں کہ میں نازک مزاج ہوں

اس زندگی میں ترک تعلق کا ذکر کیا — جب تن میں جان ہی ہمہ تن احتیاج ہوں

۴۴۰ مذہبی تلقین اور ایسے شدائد الامان — ایک نام حق کے ساتھ اتنے زوائد الاماں

۴۴۱ ہر شیخ یہ کہتا ہے عقائد ہیں تو یہ ہیں — توحید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

۴۴۲ بے بصر وہ ہیں جو بحثوں میں یہاں خرسند ہیں — جنکی آنکھیں کھل گئیں اُن کی زبانیں بند ہیں

۴۴۳ وہ اپنی حد سے باہر قائم یہ اپنی حد میں — یہ عمدہ فرق میں نے پایا ہے نیک و بد میں
تیری ہی حد میں تیری ساری مسرتیں ہیں — مشکل ہے بحث کرنا میرے سخن کے رد میں

۴۴۴ بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہی مداری کو مبارکباد دوں

۴۴۹ الگ خیال سے یہ دینوی مظاہر ہوں — نماز کا ہی مزا جب حواس طاہر ہوں
مخالفین کو ہم کہہ تو دیتے ہیں کافر — مگر یہ ڈرتے ہیں دل میں ہمیں نہ کافر ہوں

۴۵۰ حواس ظاہری کے دام میں اوہام حاضر ہیں — مگر یہ صید خود صیاد اطمینان خاطر ہیں
مرا اسلام ہی کیا ہی کہ حکم کفر دوں اکبر — وہی کافر ہیں جو اللہ کے نزدیک کافر ہیں

۴۵۱ بادۂ عرفاں کہاں یہ بحث کا دفتر کہاں — کفر ہی اس انجمن میں کون کیا کیونکر کہاں
خانۂ تن کے بھی اجزا میں ہی پیہم انقلاب — کیا بتائیں ہم کسی سے ہی ہمارا گھر کہاں

۴۵۲ جنکو جینا ہی ہے بنیں بجلی ہوں جسکے ابر میں — پانوں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں یاں تو قبر میں
چند مومن بھی اسیر زلف دنیا ہو گئے — چاندنی تو ہی مگر لپٹی ہوئی ہے ابر میں
ہاتھا پائی شاہد مغرب سے ہم کرتے نہیں — بابووں ہی کو مزا ہے بوسۂ بالجبر میں

۴۵۳ گو مجھ میں ہی بلاغت گو شعر با اثر ہیں — لیکن مرے مصائب مجھ سے بلیغ تر ہیں

۴۵۵ کس طرح جانچے گا اپنے آپ کو اے فلسفی — فرق کیا لازم نہیں ہے ناظر و منظور میں
آپ کی ہرگز نہیں کے آگے کیا بس ہی مرا — لیکن اتنا تو ذرا سن لوں کہ آخر کیوں نہیں

ف ۱۹۰۹ء میں تجھ پر پریشن ہوا تھا اور مجھکو ہدایت تھی کہ بات نہ کروں۔

اُن کے گھر کی آگ بجلی ہے مرے گھر کی خراب — یا الٰہی مجھ پر الطافِ عناصر کیوں نہیں
اسقدر دلکش ہے رنگِ طبعِ اکبر دیر میں — بت کو حسرت ہے کہ یہ کمبخت کافر کیوں نہیں

*

۴۵۸ ہم کیوں یہ بتلائے بیتابی نظر ہیں — تسکینِ دل کی یا رب وہ صورتیں کدھر ہیں
ذرّے جو گُل بنے تھے وہ بن گئے بگولے — جو زینتِ چمن تھے وہ خاکِ رہگذر ہیں
دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلّق — وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں
ہمنے سُنا بہت کچھ حالِ جہانِ فانی — افسانہ گو غضب ہیں قصّے تو مختصر ہیں
پیدا کیئے فلک نے نادیدنی مناظر — نیچی ہیں اُنکی نظریں جو صاحبِ نظر ہیں
غم خانۂ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری — اک ناشنیدہ اُف ہیں اک آہ بے اثر ہیں
کیا مشرقی کفن بھی وہ ترک کر سکیں گے — اوضاعِ مغربی میں جو غرق سر بسر ہیں
اکبر کے شعر سُنکر کہتے ہیں اہلِ باطن — اب بھی خدا کے بندے ہم صاحبِ اثر ہیں

*

۴۵۹ اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیونکر کروں — بیحد آتا ہے مجھے غصّہ مگر کس پر کروں
چل بسے چھوٹے بڑے تھا جنسے لطفِ زندگی — مجھ پہ کسکو ناز ہے میں ناز اب کس پر کروں
وصل کی شب حسبِ موسم ہو ہی جائیگی سحر — لطف اُٹھاؤں یا درازی کی دعا شب بھر کروں
دورِ بے مہری ہے امیدِ محبت کس سے ہو — اُڑ رہی ہے خاک ہر سو کسکے دل میں گھر کروں

*

۴۶۰ داغِ دل پر نظرِ یاس نہ کرے اکبر — کوئی ذرّہ چمنِ دہر میں بیکار نہیں
تجھ پہ گلزار کھلائے گا یہی داغ کبھی — آج گو طبع تری محرمِ اسرار نہیں
یہ جتنے ذرّے جہانِ فانی کے اپنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں

*

۴۶۱ خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بے خبر ہیں
تغیّر اتنا کہ گم تعیّن۔ تعیّن ایسا کہ اپنی ہی دُھن

کمال ایسا کہ سب ہیں حیرت جمال ایسا کہ سب نظر ہیں
حواس کچھ نیک کام کرلیں کہ جیب و دامن کو اپنے بھر لیں
مرے معانی کی حد نہیں ہے اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

۴۶۲ دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں — بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں
زندہ ہوں مگر زیست کی لذت نہیں باقی — ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں
اس خانۂ ہستی سے گذر جاؤں گا بے لوث — سایہ ہوں فقط نقش بہ دیوار نہیں ہوں
افسردہ ہوں عبرت سے دوا کی نہیں حاجت — غم کا مجھے یہ ضعف ہے بیمار نہیں ہوں
وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے — الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں
یارب مجھے محفوظ رکھ اس بت کے ستم سے — میں اسکی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں
گو دعویٔ تقویٰ نہیں درگاہ خدا میں — بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں
افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر — کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

۴۶۴ جرح کیا وقعت نہیں میری جو بزم غیر میں — عزت مسلم ہی اسکی کس مپرسی دیر میں
تار برقی سے ہوا معلوم حال زار روس — شور برپا ہے کلیسا میں حرم میں دیر میں
آسمانی توپ چلتی ہے کہیں صدیوں کے بعد — لیکن اُڑ جاتی ہیں ساری غفلتیں دم بھر میں

۴۶۵ چرخ نے پیش کمیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں

۴۶۶ حواس سب ہو گئے معطل اور آنکھ بھی بند کر چکے ہیں
لحد میں گڑنا ہے صرف باقی زمانہ گذرا کہ مر چکے ہیں

۴۶۷ کارگر اس بت کی تدبیریں بالآخر ہو گئیں — گو ہوں مسلم خواہشیں میری بھی کافر ہو گئیں

۴۶۹ بت سے حاصل کی موافق اپنی رائے — نشۂ نخوت میں اب سرشار ہیں

پوچھے کوئی حضرتِ والا سے یہ — آپ فاتح ہیں کہ ڈگری دار ہیں

۴۷۰ اب میں سرگرمی سے کوئی سعی کرتا ہی نہیں — بعد ان مایوسیوں کے دل ابھرتا ہی نہیں
سلسلہ ہے بیقراری کا ہماری زندگی — سانس رکتی ہی نہیں اور دل ٹھہرتا ہی نہیں
منزلِ صبر و رضا کو سمجھے تھے آباد ہم — لیکن اس جانب سے اب کوئی گزرتا ہی نہیں
افعیٔ حرص و ہوا پر ضربتیں ہیں بے اثر — ٹوٹتی ہیں لاٹھیاں کمبخت مرتا ہی نہیں
یاس سے خوبانِ مشرق کو ہوئی عشاق سے — اسقدر افسردہ ہیں کوئی سنورتا ہی نہیں

۴۷۱ اس سرو قد پہ اکبر مدت سے مر رہا ہوں — اللہ راست لائے کوشش تو کر رہا ہوں

۴۷۲ نمبر اول کا دعویٰ ہو جنھیں باہم لڑیں — خوش نصیبی سے یہاں تو دوسرے نمبر پہ ہیں

۴۷۳ جان مردہ ہے بدن افسردہ ہے مانند خاک — میں ہرا ہونگا کبھی لیکن اب اپنی قبر ہوں

مجبور بدل جانے پہ یہاں اقبال و حشم کے دور بھی ہیں
یکتائی کا دعویٰ خوب نہیں اللہ کے بندے اور بھی ہیں

۴۷۵ قوتِ سیر جو حاصل ہو تو دیوار نہ بن — پنجۂ غیر میں رہنا ہو تو تلوار نہ بن
دل کی خاطر تو ہے لازم تجھے بک جانا بھی — صرف آنکھوں کا فدا ہو تو خریدار نہ بن
آتشِ شوقِ بتاں میں نہ جلا دل اپنا — کافری کا سببِ گرمیٔ بازار نہ بن
بت پرستی میں بھی کچھ حسن کے پہلو پہ نظر — ہار بن دیر سے رشتہ ہو تو زنار نہ بن
دل سے کہہ سکتے ہیں ہاں شمعِ بصیرت نہ تجھے — دقت سے کہہ نہیں سکتے کہ شبِ تار نہ بن
دستِ قدرت میں ہے یہ خاکِ چمن اے اکبر — اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن خار نہ بن

۴۷۶ ہے ہمسے چرخ برسرِ کیں غور کیا کریں — بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے اور کیا کریں
ہے صبر میں تو دیر وہ فرصت کی بات ہے — للہ یہ بتائیے فی الفور کیا کریں

اپنے جو تھے مشیر وہ سب اُس سے مل گئے — کرنا پڑا سکوت بہر طور کیا کریں
پانی کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ — اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

۴۷۸ وہ تھے آئینِ ملت لاکھوں ہی کو ایک کرتے تھے — یہ کیا جو ایک کے دو اور دو کو چار کرتے ہیں
یہ پروانوں کا شمعوں سے لپٹنا اور جل مرنا — محبت کی روش یہ بھی ہے یوں بھی پیار کرتے ہیں
بڑھانا شوق کا منظور ہے یا مضمحل کرنا — نزاکت کا جو مجھ سے اسقدر اظہار کرتے ہیں
ترقی کی تماشاگاہ میں اسوقت اے اکبر — وہ منظر ہیں کہ مجھکو ہوش سے بیزار کرتے ہیں

۴۷۹ حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں — جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

۴۸۱ وجدِ عارف کی حقیقت کچھ سنا دوں آپکو — گو کہ میری اصل کیا اک بندۂ ناچیز ہوں
ناچتی ہے روح انسانی بدن میں شوق سے — جب کبھی پا جاتی ہے یہ تو کہ میں کیا چیز ہوں

۴۸۳ کچھ اعتبار نہیں مجھکو اپنے ہونے کا — یقیں میں میں نہیں ہوں فقط قیاس میں ہوں
ثواب کہتا ہے مل جاؤنگا کر اِن کی مدد — چھپا ہوا میں غریبوں کی بھوک پیاس میں ہوں

۴۸۴ خداشناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر — یہی بہت ہے جو دنیا شناس ہو جاؤں

۴۸۶ جہاں درشن تمہارے ہوں وہیں دھونی رما دونگا — الہ آباد کا قیدی نہ پابند بنارس ہوں

۴۸۷ کسی سے پوچھتا میں کیوں تصوف کسکو کہتے ہیں — خود اپنے دل کو دیکھا اور سمجھا اسکو کہتے ہیں

۴۸۹ مرے دل کا نہ سمجھا حال کچھ بھی ڈاکٹر مسٹنگ — تو پھر دعویٰ یہ کیا ہے میں ہی رگ رگ سے واقف ہوں

۴۹۰ وہ دل کا رنگ نہیں گو حرم کے طوف میں ہوں — مقامِ شوق میں تھا اب محلِّ خوف میں ہوں

۴۹۱ موت سے ڈرتا نہیں ہوں گو موت کا شائق بھی ہوں — یعنی شبہ ہے کہ ایسے شوق کے لائق بھی ہوں
ہو نہیں سکتا بیانِ حالِ دل الفاظ میں — جوش بھی ہے طبع میں اور شعر میں فائق بھی ہوں

۴۹۲ زیادہ گوئی سے اب ہم اسی سے رکتے ہیں — جو خوب کہتے ہیں اکبر وہ کہہ بھی چکتے ہیں

خشک ہی بالکل شجر امید کا / گل ہیں سرخی ہی نہ سبزی برگ میں ۴۹۴

شغل اپنا کیا بتاؤں آپ سے / جی رہا ہوں انتظار مرگ میں

مسرت مجھکو اب دشوار ہی دنیا کی محفل میں / خوشی کی قابلیت ہی نہیں باقی ہی دل میں ۴۹۸

جھکا کر سر کو سجدے میں جو اپنے دل میں پہنچے ہیں / نہ پوچھو وہ کہاں اٹھے ہیں کس منزل تک پہنچے ہیں ۴۹۹

ذوق ہوائے کوچۂ قاتل کو کیا کروں / مہلک سہی یہ شوق مگر دل کو کیا کروں ۵۰۰

اظہار اضطراب کا شائق نہیں ہوں میں / پہلو میں لیکن اس دل بسمل کو کیا کروں

قطع نظر گلوں سے نہیں مانع جنوں / بوئے بہار و شور عنادل کو کیا کروں

مقبول جو ہوں شاذ ہیں۔ قابل تو بہت ہیں / آئینے کے مانند ہیں کم۔ دل تو بہت ہیں ۵۰۱

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنھیں ملتی ہے لذت / یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

علم دیں حاصل کیا لیکن عبادت یہ ہوئی / صرف سکھلانے میں لذت ہی عمل میں کچھ نہیں ۵۰۲

زیست کا مقصد ہے خود آہ سوزاں سبب لطف / ورنہ اے اکبر تری نظم غزل میں کچھ نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں آپ نہایت قابل / میں اسی سوچ میں رہتا ہوں کہ کس قابل ہوں ۵۰۶

لذت ہی روح کو تن خاکی سے میل ہیں / فطرت نے مست کیا ہو قیدی کو جیل میں ۵۰۸

فتح و شکست پر نظر آپ ہی کی ہوں / اپنی تو دل لگی ہی فقط پاس فیل میں

ذلت اٹھا رہا ہوں میں [illegible] کے غول میں / اچھے وہی جو لکھ گئے آخر کے رول میں

وہی نمود [illegible] کرتے ہیں / ہماری زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں ۵۱۱

باحسن سیرت ہیں ایسے جو [illegible] نہیں ہیں / سینے میں سب کے دل ہی سب اہل دل نہیں ۵۱۲

خدا جانے مرا کیا وزن ہو ان کی نگاہوں میں / سنا ہی آدمی کو وہ نظر میں تول لیتے ہیں ۵۱۳

تفرقوں کے یہ جو طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں / ہمکو کرنا چاہیے سب کچھ مگر ہم ہم تو ہوں ۵۱۶

دیکھ لیگا خود کہ کس عالم میں لیجاتا ہی دل ۔۔۔ مجھکو جتنے ہیں مگر اتنے کسی کو غم تو ہوں
جام کی صورت جو ساقی خود ہوں گردش میں تو کیا ۔۔۔ شانِ محفل تمکنت ہی میں ہے پہلے جم تو ہوں

۵۱۸ خدا کے نام کا ہے احترام عالم میں ۔۔۔ نہ صرف آپ میں، ہم ہیں تمام عالم میں
اسی کا نام نہ کیوں مرکزِ زباں ہو جائے ۔۔۔ کہ اختلاف سے خالی ہو کام عالم میں
خدا پرست کو کافی ہے مثل ابراہیم ۔۔۔ زوال شمس و قمر صبح و شام عالم میں
یہی مشن تھا جنابِ رسولِ اکرم کا ۔۔۔ اور آج انھیں کا تو روشن ہے نام عالم میں

۵۱۹ حسنِ آغاز تو رکھتا ہے یہ عیشِ دنیا ۔۔۔ مگر افسوس یہ ہے خوبیٔ انجام نہیں

۵۲۱ تعلّی کی نہیں لیتے ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں ۔۔۔ مگر ہم جتنے ہیں بیزار دنیا سے کم ایسے ہیں
مری ہر وقت کی افسردگی ہے بار یاروں پر ۔۔۔ مگر میں کیا کروں شکوہ خدا شاہد غم ایسے ہیں

سینے میں تپش ہے دل میں غم ہیں ۔۔۔ اللہ اللہ ہے اور ہم ہیں
جن میں للّٰہ دوستی ہے ۔۔۔ اب ایسے بزرگوار کم ہیں

۵۲۴ حقیقت کیا مری ہستی کی اک ذرّے سے بھی کم ہوں ۔۔۔ تعجب اس پہ آتا ہے کہ میں بھی جزوِ عالم ہوں
بحمد اللہ مری ہستی نہیں ہے بار فطرت پر ۔۔۔ زمیں پر ہوں تو سبزہ ہوں گلو تمیں ہوں تو شبنم ہوں

۵۲۶ کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں ۔۔۔ کافی ہے یہ شرف کہ وفاقی سے کم نہیں

۵۲۷ مس سے بیگم نے کہا کل تو کہاں اور ہم کہاں ۔۔۔ بوٹ کی چرچر میں کیا رکھا ہے یہ چھم چھم کہاں
مس نے بولی پڑھ کے نکلو تو ذرا اسکول سے ۔۔۔ اور ہی چالیں نظر آئیں گی یہ عالم کہاں

۵۲۹ اور گو مرزا ہر طرف بدنام ہیں ۔۔۔ نیک بدھو وارثِ اسلام ہیں
گردشِ گردوں کے آگے کسکا زور ۔۔۔ کون دم مارے خدا کے کام ہیں

۵۳۱ ناچیز ہے سکون تو تلاطم بھی کچھ نہیں ۔۔۔ ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں

کیا نور تھا نگاہِ جنابِ خلیل میں — شمس و قمر بھی کچھ نہیں انجم بھی کچھ نہیں

۵۳۲ تکلم ہوتا تو میں اس عہد میں پھولا ہوا رہتا — سراپا دل بنا ہوں اس سبب سے کشتۂ غم ہوں

۵۳۳ نہ واعظ کی کوئی سنتا نہ پڑھتا ہے مصنف کی — زباں کہتی ہی رہتی ہے قلم چلتے ہی رہتے ہیں
جو تھک کر بیٹھ جاتا ہوں زمیں کہتی ہے یہ مجھ سے — ترے رکنے سے کیا ہوتا ہے ہم چلتے ہی رہتے ہیں

۵۳۴ نئی تعلیم میں تقویٰ کا وہ اکرام کہاں — ناز بے حد ہے مگر غیرتِ اسلام کہاں

۵۳۵ نئے زمانے کی ہسٹری کے عجیب مفہوم بن رہے ہیں — کہ خدمتِ دیر کی بدولت حرم کے مخدوم بن رہے ہیں

۵۳۶ مفتیِ شرع نہ ہوں لیڈرِ اسلام تو ہیں — بوئے مسجد نہ سہی کیمپ کے گلفام تو ہیں

۵۳۷ منہ لگایا جنھیں اس بت نے وہ ناقوس — سازِ ملت ہیں تو اب سُر ہی اسلام کے ہیں
نہ نظر آئے جبیں پر جو نشانِ سجدہ — تو سمجھ لو یہ مسلمان فقط نام کے ہیں

۵۴۰ یہ اختلافِ صورتِ فطرت کی مستیاں ہیں — یہ انکشافِ معنی ذہنوں کی ہستیاں ہیں
دیوانہ چمن کی سیر میں نہیں ہیں تنہا — عالم ہے ان گلوں میں غنچوں میں بستیاں ہیں
ساقی سے بے خبر ہیں مستانِ بزمِ ہستی — یا بے ہشی ہے طاری یا خود پرستیاں ہیں
اس منزلِ فنا کو اکبر نے خوب دیکھا — جتنی بلندیاں ہیں نظروں کی پستیاں ہیں

۵۴۱ ہے جو لب پر شکوہ سمجھیں اس کو یا آہیں کہیں — میں ہوں مستِ بادۂ غم لوگ جو چاہیں کہیں
جو طریقے کامیابی کے بتاتے ہیں یہ سب — ہیں یہ سب راہِ ہلاکت آپ انھیں راہیں کہیں

۵۴۳ وہ چیزیں نفس کو جن سے مسرت ہے نمایاں ہیں — جو اخلاقی نتیجے دل پہ گذرینگے وہ پنہاں ہیں

۵۴۵ جس طرف اٹھ گئی ہیں آہیں ہیں — چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں
ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو — چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں
ماسٹر کی مشیختیں دیکھو — اب تو کالج ہی خانقاہیں ہیں

۵۴۶ روح ہی تن میں مگر دل میں مرے جان نہیں   داغ ہی داغ ہیں اب اور کوئی ارمان نہیں
سخت مشکل ہے مسلمان کو اس وقت فروغ   اور قناعت کی جو سوجھے تو وہ آسان نہیں

۵۴۸ ہیں سخت مصیبت میں آرام کہاں پائیں   دنیا سے ملیں کیونکر چھوڑیں تو کہاں جائیں

۵۴۹ جب خدمت دل میں رہنے کو خالق نے زبانیں دیں منھ میں
اچھے ہیں وہی دل اے اکبر اللہ کی باتیں جن سے اٹھیں
اس بزم میں مجھ سے کہتے ہیں سب موقع کے مطابق بات کہو
اور ہم نے یہ دل میں ٹھانی ہے یا دل کی کہیں یا کچھ نہ کہیں

۵۵۲ صورت گل ہمہ تن گوش ہوں اس محفل میں   کہ جہاں بلبل و قمری ہیں غزل خوانوں میں

۵۵۳ ہے موت میں ضرور کوئی راز دلنشیں   سب کچھ ہے اور کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

۵۵۴ طالب العلموں کو بیجا و کمیٹی میں نہ تم   کہیں ایسا نہ ہو یہ قوم پہ عاشق ہو جائیں

۵۵۵ فرقت میں شوق دید گل اے باغباں نہیں   راحت کہاں نظر کو جب آرام جاں نہیں
کتنا ہی غم ہو رہتی ہے امید بہتری   شکر خدا کہ قلب مرا بدگماں نہیں
اصرار شوق ہے کہ کیے جاؤ عرض حال   ایمائے ناز ہے کہ چلی جائے ہاں نہیں

۵۵۶ بنگلوں ہی کی چھتوں پہ کریں شاعر اب نگاہ   دور جدید میں کوئی شے آسماں نہیں

۵۵۷ جو خوش کریگا چاہے گا مجھکو بھی خوش کرو   اسکو سمجھ کے تو کوئی منت قبول کر

۵۵۹ ہو گیا ہوں اس قدر افسردہ و زار و حزیں   چلدیے ہیں چھوڑ کر مجھکو کراماً کاتبین
اب کیا دنیا سے دل لگے گا   آنکھیں جنت سے لگی ہوئی ہیں

۵۶۱ پڑ جائیں ابھی آبلے اکبر کے بدن میں   پڑھکر جو کوئی پھونکدے اپریل مئی جون
اس شرط پہ ہمسے فلک سے صلح آخر ہوگئی   قبریں مہیا وہ کرے تزئین انکی ہم کریں

بتوں میں حسن نہیں ہے بدن میں جان نہیں   وہی جگہ ہے مگر دیر کی وہ شان نہیں ۵۶۴

ہو رہا ہے نفاذِ حکمِ فنا   نہ مکیں اب ہے بچتے ہیں نہ مکاں ۵۶۵
تو ہی خود آ کے اب تو بولیں ہمیں   کہتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَان

دنیا کو خوب دیکھا جتنی محبتیں ہیں   موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی ساعتیں ہیں ۵۶۶
البتہ جو تعلق دینی خیال سے ہے   اس میں خاص شانِ دردِ دل کی آئیں ہیں

وہ رنگِ بزم نہیں ہے تو رند کیا ابھریں   بہار ہی نہیں باقی تو پھر جنوں کہاں ۵۶۷

مدت سے ہوش میں ہوں نذرِ دل و زباں ہوں   لیکن کھلا نہ اب تک میں خود کہاں ہوں ۵۶۹
پیری سے اب ہے حالِ ماضی لب پہ ہے ذکرِ ماضی   پہلے فسانہ جو تھا اب اپنی داستاں ہوں
حیرت کہ جسکو سمجھا آنکھوں سے صدرِ ہستی   آخر میں بول اٹھا میں سنگِ آستاں ہوں

وہ چاہتے ہیں اسکو دم دیکے میں بلاؤں   یاں دل میں یہ ٹھنی ہے مر جاؤں اور نہ جاؤں الف ۵۶۹
اظہارِ عقل میں ہیں احباب گرمِ کوشش   اور مجھکو فکر یہ ہے اپنا جنوں چھپاؤں
سازِ طرب بلا کر بیٹھے ہیں سننے والے   پھر میں فسانۂ غم کیونکر انھیں سناؤں
میری طرف سے کیوں وہ مایوس ہو رہے ہیں   بیمار تو پڑا ہوں ممکن ہے مر بھی جاؤں

باقی نہیں وہ رنگِ گلستانِ ہند میں   محنت کا اب ہے کام گلستانِ ہند میں ۵۷۰

لکھا تھا کہ مشتاقِ ملاقات ہوں بے حد   پاؤں جو اجازت تو دمِ چند کو آؤں ۵۷۱
آیا یہ جواب آئیے جب چاہئے لیکن   افسوس کہ میں آپ کا مشتاق نہیں ہوں

دنیا کی یہ قدیمی کوتہ خیالیاں ہیں   جیتے تو تالیاں ہیں ہارے تو گالیاں ہیں ۵۷۴

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں   سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں ۵۷۵
وہ بدگماں مرے جوشِ نگاہِ شوق سے ہیں   نہ احتیاط ہے مجھ میں نہ حسنِ ظن ان میں

۵۷۷ عزلت ہی ہے مناسب کیوں دل میں یہ نہ ٹھانوں | دنیا مجھے نہ جانے دنیا کو میں نہ جانوں
میری نصیحتوں کو سُنکر وہ شوخ بولا | نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

۵۷۹ کہوں کچھ اُن سے اثر ہو تو اعتبار آئے | سُنا تو میں نے بھی یہ ہے کہ خوب کہتا ہوں

۵۸۲ دستِ پابستہ ہوں میں ظاہر کوئی گُن کیا کروں | دوسروں کے بس میں ہوں فکرِ تمدن کیا کروں
آگ برسانے لگی جب اِس گلستاں کی ہوا | خواہشِ نشو و نمائے نخل و گلبن کیا کروں
مہربانی سے مجھے گو دام کی کنجی تو دی | لیکن اب کچھ نہیں باقی فقط ڈھکن کیا کروں
دیر میں کل گا رہی تھی اک زنِ زہرہ جبیں | جب پیا پاپی ملے مجھکو تو اب مَن کیا کروں
عقل روتی ہے کہ یہ گتھی سُلجھتی ہی نہیں | ہر گرہ لوہا بنی ہے شکرِ ناخن کیا کروں

۵۸۴ سنی سنائی کہانیاں ہیں زبان کی خوش بیانیاں ہیں
وہ جاں فشانی کہاں ہے باقی جو ہیں وہ بس گُل فشانیاں ہیں
نہ تجربے کی فغاں کا سامع نہ ذوقِ عقبیٰ کا کوئی طامع
نئی نگاہیں نئے مناظر زمانہ ہے اور جوانیاں ہیں
یہ بُت ہیں بالکل ذلیل و احقر جنھیں بصیرت نہیں ہے **اکبر**
اُنھیں سے اُن کا غرور ہے یہ اُنھیں سے یہ لن ترانیاں ہیں

۵۸۵ ہرگز نہ اُلجھیں بے دینی سے اور شرک کی ضد پر تن جائیں
اللہ کے جتنے بندے ہیں ہے فرض کہ بھائی بن جائیں
اللہ و نبی کی مرضی ہے یعنی یہ مسلماں آپس میں
دشمن بھی جو ہیں وہ دوست بنیں روٹھے بھی جو ہیں وہ من جائیں
ہر چند کہ اُن پر تنگی ہو کتنا ہی ہوا کا رُخ بدلے

[illegible]عت کو مقدم گردانیں اور نیک عمل پڑھن جائیں

انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں — متصل ہو سطح ظاہر سے یہ وہ باطن نہیں ۵۸۶

قابلِ رد پیش دانشمند یہ معقول نہیں — ہر زباں ہر گفتنی کیواسطے موزوں نہیں ۵۸۷

بے گانگی نہیں ہے بس اتنی دوستی ہے — میں انکو جانتا ہوں وہ مجھکو جانتے ہیں ۵۸۸

دیکھکر مجھکو وہ کہتے ہیں کہ اچھے تو رہے — زندہ ہیں سانس لئے جاتے ہیں [illegible] ۵۸۹

خوب اکبر نے یہ اٹھائی تان — دین ہے آنکھ اور مذہب کان ۵۹۰

غم خانۂ جہاں سے آگاہ ہو چکا ہوں — داغوں سے دل بھرا ہے کتنوں کو رو چکا ہوں ۵۹۳

کیا خوشی سے ہم آہ کرتے ہیں — کیوں وہ ایسی نگاہ کرتے ہیں ۵۹۴

پھیرتے ہیں نگاہ دنیا سے — آنکھ کو رو براہ کرتے ہیں

خوشی سے واہ کرتا ہوں نہ غم سے آہ کرتا ہوں — محل حیرت کا ہے بس اللہ ہی [illegible]

قناعت ہے مری دولت دیانت ہے مری عزت — نہ حرصِ مال رکھتا ہوں نہ [illegible]

دنیوی کاموں کے گو ہیں قاعدے — قاعدوں کا قا[illegible] ۵۹۶

جو مشیت اس کی ہے وہ قاعدہ — بحث کیجے فنا [illegible]

جیسا موسم ہو مطابق اسکے میں دیوانہ ہوں — مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں پروانہ ہوں ۵۹۸

حال میرا پوچھتے ہیں کیا یہ مستقبل طلب — کشتۂ ماضی ہوا ہوں [illegible]

اب اپنے دل کو بجز غم کے کوئی راہ نہیں — خدا کا شکر یہی ہے کہ [illegible] نہیں ۶۰۰

اب اپنے دل کی عقیدت پہ رحم آتا ہے — یہ دیکھتا ہوں کہ وہ آپ کی [illegible]

مرے سکوت پہ غصہ نہ کیجئے للہ — فغاں ہے جرم خموشی تو کچھ گناہ نہیں

دن گذرتے ہی چلے جاتے ہیں — لوگ مرتے ہی چلے جاتے ہیں ۶۰۱

جانتے ہیں کہ یہ غفلت کے ہیں کام ** پھر بھی کرتے ہی چلے جاتے ہیں

۶۰۲ چرخ سے کچھ امید تھی ہی نہیں ** آرزو میں نے کوئی کی ہی نہیں
چاہتا تھا بہت سی باتوں کو لو ** مگر افسوس اب وہ جی ہی نہیں
جرأت عرض حال کیا ہوتی ** نظر لطف اُسنے کی ہی نہیں
اس مصیبت میں دل سے کیا کہتا ** کوئی ایسی مثال تھی ہی نہیں
آپ کیا جانیں قدر یا اللہ ** جب مصیبت کوئی پڑی ہی نہیں
شرک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا ** میری کوئی سوسائٹی ہی نہیں
مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں ** فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں
پوچھا اکبر ہے آدمی کیسا ** ہنس کے بولے وہ آدمی ہی نہیں

۶۰۴ جلوۂ ساقی و مے جان لیے لیتے ہیں ** شیخ جی ضبط کریں ہم تو پیے لیتے ہیں
دل میں یاد انکی جو آتے ہوئے شرماتی ہے ** درد اُٹھتا ہے کہ ہم آڑ لیے لیتے ہیں
دَورِ تہذیب میں پرپونچا ہوا دَورِ نقاب ** ہم بھی اب چاک گریباں کو سیئے لیتے ہیں
خودکشی منع۔ خوشی گم۔ یہ قیامت ہے مگر ** جینا ہی کتنا ہے اب۔ خیر جیئے لیتے ہیں
لذتِ وصل کو پروانے سے پوچھیں عشاق ** وہ مزا کیا ہے جو بے جان دیئے لیتے ہیں

دیر میں عاشقوں پہ ظلم یہ ہے ** بعد مرنے کے بھی جلاتے ہیں
جب تمہارا خیال آتا ہے ** ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں
مجھکو کچھ پوچھنا ہے اکبر سے ** یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

۶۰۷ بزرگیوں کے مقابلے میں فلک کے برچھے تنے ہوئے ہیں
یہی سبب ہے جناب اکبر جو طفلِ ناداں بنے ہوئے ہیں

مرے اشعار نگیں آپکے سننے کے قابل ہیں — اسی گلزار کے ہیں پھول جو چننے کے قابل ہیں ۶۰۸

فلک کی گردش سے آج ہم کیا خراب و خستہ پڑے ہوئے ہیں
اُجڑ گئے ہیں اگر گریں کیا جہاں بسے تھے وہیں پڑے ہیں ۶۰۹
نہ پائمالی سے ہے حفاظت نہ حس و حرکت کی ہم میں طاقت
ہوئے ہیں سایہ اگر گرے ہیں بنے ہیں دیوار اگر کھڑے ہیں
حرم کی صف میں شریک ہوکر نماز پڑھنے کا شوق رخصت
بتانِ ترسا کی جلوہ گاہوں میں دست بستہ مگر کھڑے ہیں

چالِ دنیا کی تمہیں محسوس ہو دشوار ہے — یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں ۶۱۲
دل کے جو دشمن ہیں انکے شوق میں بہتی ہے آنکھ — جان کا مالک جو ہے اس سے نظر ملتی نہیں

زندگی کہتی ہے دنیا سے تو اپنا دل لگا — موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں ۶۱۳
چاہتے ہو تم کسی کو چاہتا ہو وہ تمہیں — زندگی یہ ہے نہیں تو زندگی اچھی نہیں ۶۱۴

اُسکی باتوں سے سمجھ رکھا ہے تمنے اُسے خضر — اُسکے پانوں کو تو دیکھو کدھر جاتے ہیں

اُٹھے تو بہت ہیں بہر دو اسپر بھی لیکن غور تو کرو — شیطان کے حامی کتنے ہیں اللہ کے پیارے کتنے ہیں ۶۱۶

اُنکے دل میں جو کچھ آتا ہے وہ کہہ جاتے ہیں — ہم بھی سُن لیتے ہیں منھ دیکھ کے رہجاتے ہیں ۶۱۸
کھانے پینے سے جو ہوتی زندگی مرتا ہی کون — سچ یہ ہے زندہ فقط اللہ کی مرضی سے ہوں ۶۲۰

خدا کی یاد میں دنیا سے دونوں منھ جو موڑے ہیں — وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں ۶۲۱

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں — ۵ل عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں ۶۲۳
گم ہیں نظر سے نور حقیقت کی ہستیاں — اندھیر ہیں حواس کی ظاہر پرستیاں ۶۲۶
کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں — آدمی آدمی بناتے ہیں

۵ل اس شعر پر ڈاکٹر اقبال صاحب نے انگریزی میں ایک آرٹیکل لکھا ہے اور فلاسفر ہیگل کے اس طرز بیان میں مصنف کو ترجیح دی ہے

جستجو ہمکو آدمی کی ہے — وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

٦٢٩ دہر نے نشتر غم دل پہ مرے مارے ہیں — شعر رنگیں یہ نہیں خون کے فوارے ہیں

٦٣١ فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت — مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں

کہہ دیا میں نے ہوا تجربہ مجھکو تو یہی — تجربہ ہو نہیں چلتا ہے کہ مر جاتے ہیں

٦٣٣ دل ہٹیا نے کیا کیا دکھلائے ہیں مجھے عالم — یہ پُرزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانے میں

٦٣٧ اوروں پہ ہے جب وعظ تو پہلی صدی میں ہیں — اپنی غرض ہے جب تو نئی جنتری میں ہیں

٦٤١ ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں — یہ انکی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں

٦٤٣ آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں — ہوش آئیگا انھیں موت کی بیہوشی میں

عشق پاتا ہی نہیں موقع فریاد بجا — حسن کو دخل بہت کچھ ہے ستم پوشی میں

٦٤٩ ہمارے باغ میں پیڑ اب کہاں مالی لگاتے ہیں — انھوں نے بھی تو دیکھا یہ فقط ڈالی لگاتے ہیں

٦٥١ ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بالے بندے ہیں — ہمیں نے انکو چمکایا ہمیں دوزخ کے کندے ہیں

٦٥٢ بس اللہ اللہ ہی بہتر ہے اللہ کے وعدے سچے ہیں — نبیوں ہی کی باتیں پکی ہیں اس وقت کے لیڈر کچے ہیں

٦٥٥ مستی ہو تم میں کہتا ہے پپیہا پی کہاں — سب یہی کہتے مگر ہر اک نے ایسی پی کہاں

٦٦١ فلک مشتاق ہے پیہم نئی دنیا بسانے میں — زمیں کو دیر کیا لگتی ہے ہم دونوں کو کھانے میں

٦٦٣ دوستوں کے ساتھ اگلی گرمجوشی اب کہاں — خون دل پینا پڑا ہے بادہ نوشی اب کہاں

باغباں کانٹوں میں الجھانے کا رکھتا ہے خیال — صحن گلشن میں بہار گل فروشی اب کہاں

٦٦٥ فوج خدا نہیں تو دعا ہی کے ساتھ ہیں — لڑتے نہیں نبی تو خدا ہی کے ساتھ ہیں

تم بہتری کی فکر کرو بزم غیر میں — عزلت میں ہم تو اپنی تباہی کے ساتھ ہیں

دل وہ ہے جو فریب نظر کو سمجھ سکے — آنکھیں وہ ہیں جو ژرف نگاہی کے ساتھ ہیں

ترکِ وفا کے ہو گئے عازم نیاز مند
حضرت ہنوز ناز و ادا ہی کے ساتھ ہیں
علمی ترقیوں سے زباں تو چمک گئی
لیکن عمل فریب و دغا ہی کے ساتھ ہیں

میکدے میں ہیں ہم تقویٰ کو راضی کیا کریں ٦٦٦
محتسب کی جب قضا آ جائے قاضی کیا کریں
حال ہی سے یہ مدد یا حیّ یا قیوم پڑھ
ہسٹری تو ہو چکی ایّام ماضی کیا کریں

زباں پہ شیخ طوطی اور دل غفلت کے تھالے ہیں ٦٦٨
بہت ہیں اللہ اللہ کم مگر اللہ والے ہیں

امید دل میں نہیں سانس ہی ہے سینے میں ٦٧٠
مجھے تو اب کوئی لذّت نہیں ہے جینے میں

جوشِ خاطر کو سبیلِ حق نما ملتی نہیں ٦٧١
جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

کون پا سکتا ہے مکروہات دنیا سے نجات ٦٧٢
زندگی جب تک ہے جھگڑے زندگی کے ساتھ ہیں

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو ٦٧٣
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو
جھومتی ہے شاخِ گل کھلتے ہیں غنچے دمبدم
با اثر گلشن میں تحریکِ صبا ہو یا نہ ہو
وجد میں لاتے ہیں مجھکو بلبلوں کے زمزمے
آپ کے نزدیک با معنے صدا ہو یا نہ ہو
کر دیا ہے زندگی نے بزمِ ہستی میں شریک
اسکا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہ ہو
کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہمنشیں
اسمیں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو
مولوی صاحب نہ چھوڑیں گے خدا گو بخش دے
گھیر ہی لیں گے پولس والے سزا ہو یا نہ ہو
ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائیگی
قوم کی حالت میں کچھ اس سے جلا ہو یا نہ ہو
معترض کیوں ہو اگر سمجھے تمہیں صیّاد دل
ایسے گیسو ہوں تو شبہ دام کا ہو یا نہ ہو

غم میں ہوتا ہی ہے کچھ امیدِ فردا سے سکوں ٦٧٤
وائے بر حالش جسے امید فردا بھی نہ ہو
تنگ فریاد سے ہوں زیرِ لب کرتا ہوں آہ
آپ کی مرضی یہ ہے شاید کہ اتنا بھی نہ ہو
رہ گئے وہ پوچھ ہی کر جسکا اسکو ہے گلا
اسکے دل سے پوچھئے جسکو کہ پوچھا بھی نہ ہو

۶۷۶ حالِ دل کس سے کہوں پوچھنے والا بھی تو ہو — کن امیدوں پہ جیوں کوئی سہارا بھی تو ہو
سب ہیں کھنچنے کے نہیں عالمِ دل کے نقشے — کبھی گذرے ہو اُدھر سے کبھی دیکھا بھی تو ہو
دل ہی باقی نہیں اے دوست مضامیں کیسے — آپ موتی کے طلبگار ہیں دریا بھی تو ہو
بندگی میں تو ہے وہ لطف جو شاہی میں نہیں — دل سے کوئی مگر اللہ کا بندا بھی تو ہو
کون کہتا ہے جنوں میں مجھے کامل اکبر — مگر انصاف کہے گا کوئی اتنا بھی تو ہو

۶۷۸ اُڑا جاتا ہے رنگِ عاشقی گلزارِ دنیا سے — عجب کیا بلبلِ تصویر بھی اک روز عنقا ہو

اگر ملنا نہیں ملنے کا آسرا ہی تو — ہمیں اسی سے ہے تسکینِ دل خدا ہی تو
اجل کو دیکھ کے زیرِ فلک قرار آیا — مصیبتوں کی بالآخر اک انتہا ہی تو

۶۸۱ چھٹویں صدی کی بدیاں کبتک گنا کروگے — تم بیسویں صدی کی نیکی کا جائزا لو
نیت کو اپنی دیکھو اعمال اپنے جانچو — دوزخ بنو نہ سب پر جنت کا راستا لو

۶۸۲ تسبیح میں خدا خدا کیئے جاؤ — مایوس نہ ہو دعا کیئے جاؤ
ہرگز نہ قضا کرو نمازیں — مرتے مرتے ادا کیئے جاؤ
سمجھو یہ وقت امتحان ہے — ہوں بھی جو ستم وفا کیئے جاؤ
کتنا ہی ہو وقت بے حجابی — تم پیروی حیا کیئے جاؤ
اُمیدِ شفا خدا سے رکھو — کیوں ترک کرو دوا کیئے جاؤ

۶۸۳ یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہی ہو اور ایسا نہ ہو — یہ دعا ہے ان حوادث کی مجھے پروا نہ ہو
دل امید و بیم فردا سے نہو زیر و زبر — ہے یہی کافی حصولِ مدعا ہو یا نہ ہو

۶۸۴ ہرگز سمجھ نہ مستقل اس انقلاب کو — رکھ راہ راست بھونکنے دے ان کلاب کو

۶۸۶ ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو — جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

دل بھی حاضر سرِ تسلیم بھی خم کو موجود — کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ حاجات تو ہو
دل تو بے چین ہے اظہارِ ارادت کیلئے — کسی جانب سے کچھ اظہار کرامات تو ہو
دلکشا بادۂ صافی کا کسے ذوق نہیں — باطن افروز کوئی پیرِ خرابات تو ہو
گفتنی ہے دلِ پُر درد کا قصہ لیکن — کس سے کہیئے کوئی مستفسرِ حالات تو ہو
داستانِ غمِ دل کوں کہے کون سُنے — بزم میں موقع اظہارِ خیالات تو ہو
وعدے بھی یاد دلاتے ہیں گِلے بھی ہیں بہت — وہ دکھائی بھی تو دیں اُن سے ملاقات تو ہو
عدمِ نشو و نما سے نہ کہو تخم کو بد — وقت بالیدگیٔ نخلِ نباتات تو ہو
کوئی واعظ نہیں فطرت سے بلاغت سوا — مگر انسان میں کچھ فہم اشارات تو ہو
نظر اللہ پہ رکھ ہو نہ پریشاں اکبر — بے مصلّے کو ذرا صرف مناجات تو ہو

۶۸۹ قوتِ نشو و نما اسمیں بھی ہے اُسمیں بھی ہے — خواہ شاخِ پُر ثمر ہو خواہ شاخِ بید ہو

۶۹۰ وہ ملے اکبر سے دنیا جسکے دل پر سرد ہو — عیش و آنر کا طلبگار اُسکا کیوں ہمدرد ہو
پھول جب کھلا گیا پھر کیا تکلف کی اُمنگ — ہم بغل اُس سے ہوا ہو یا چمن کی گرد ہو
جب بہار آئی تو ہر رنگ اپنی شوخی میں ہے مست — ہر گلِ رنگیں ہے دلکش سُرخ ہو یا زرد ہو

۶۹۱ پاؤں پھیلاؤ نہ اتنا بے خطر اے خود سرو — خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو
قابلِ دریافت رازِ ہستیٔ پروانہ ہے — کیوں اسے یہ حکمِ فطرت ہے جلو تڑپو مرو
خودکشی کی ہم تھیں دیتے نہیں اکبر صلاح — لیکن اپنی زندگی دنیا پہ ظاہر کیوں کرو

۶۹۲ میں تو اُٹھتا ہوں توکّلت علی اللہ کہکر — نہیں ہوتا جو کوئی میرا مددگار نہ ہو
ذلت و رنج کا خوگر مجھے کردے اے حرص — یا ضرورت سے زیادہ کی طلبگار نہ ہو

الف ۶۹۲ ایسی بزموں سے جو پھل پانے کی رکھتا ہے اُمید — کیا شجر سمجھا ہے اُسنے برگ کے انبار کو

۶۹۴ ترکیب دعا کیلئے پیروں کے ہو پیرو — جب وقت دعا ہو تو خدا ہی کو پکارو
محفوظ رہو شرک سے ہادی کو بھی مانو — میرا تو یہی قول ہے سن لو اسے یارو

۶۹۵ یہ چاہتا ہوں طبیعت کو انتشار نہ ہو — کسی پہ بار نہ ہوں کوئی مجھ پہ بار نہ ہو

۶۹۶ یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ پڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ اٹھو کھڑے رہو
اے شیخ ہم میں خوبی شان جو تھی ہمارے پاس — مشکل ہے یہ کہ آنکھیں لیے لڑتے رہو
ممتاز راستی سے ہوئے ہیں چمن میں سرو — یہ بھی مگر ہے حکم کہ یونہی کھڑے رہو

۶۹۷ بے مثل بلیغ اسکو سمجھو — فطرت کی زبان نہیں کہ سمجھو

۶۹۸ با اثر قوت عمل کی ہے بنیاد دل میں ہو — سب سے پہلی شرط یہ ہو اتفاق آپس میں ہو

۷۰۰ اٹھ جاؤں سامنے سے جو کچھ شک ہو آپ کو — آئینہ اور حسن مبارک ہو آپ کو

۷۰۱ بار دل پاتا ہوں اپنی ہستی غمناک کو — حسن لذت سے ہے پاس تجلیات ادراک کو
بے تمیزی حس کی ہے اور نقش محسوسات ہے — دیکھتا ہے کون سے صفحہ ادراک کو
طالب دنیا نسیم عشق سے بیگانہ ہے — نفس کیا ہو پاک ہو

۷۰۳ ہر لحظہ ہے جسکی یاد تمھیں ہے جسکا خیال اتنا دیکھو — دیکھو بھی اسے آنکھ اٹھا کر اس ماضی کو مستقبل کو
ذروں کو بلاکر ذروں سے صناعی کی عزت پاتے ہو تم — کس رحم کا حق حاصل ہے تمھیں مل جل کے ملاتے نہیں دلکو

۷۰۴ قاصد بلا جب آنسے وہ کھیلتے تھے پولو — خط رکھ لیا ہے اچھا سلام بولو
روٹی ملے جو سکھ سے کافی ہے اللہ اللہ — ظلمت کدہ ہے دنیا ہر شے کو کیوں ٹٹولو

۷۰۶ شوق تجلی سے سوا تیرہ ہے کامل بھی تو ہو — دل کی تاثیر ہے کیا شک ہے مگر دل بھی تو ہو
ناز دنیا کا اٹھانے کی ضرورت تسلیم — طبع نازک کو کروں کیا متحمل بھی تو ہو

۷۰۸ ہستری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو — انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو

انتظام و قبضۂ دنیا نہیں ہے جب سپرد — گوش دل پھر کیوں سُنے غوغائے ہفت اقلیم کو
جسنے چھوڑا شوقِ جاہ و مال میں ذکرِ خدا — وہ حقیقت میں تھا شیطان کی تعظیم کو
رشک وہ ہے اتحادِ ذرہ ہائے گردِ باد — ایک ساتھ اُٹھے ہوائے دہر کی تعظیم کو
مجلسِ نسواں میں دیکھو عزتِ تعلیم کو — پردہ اُٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

چھاپے کی تقویت پر لیڈر بنو نہ اکبر — اپنی بساط دیکھو اپنا مقام دیکھو ۷۱۰
اُن کا مرا تعلق ہے اس سے صاف ظاہر — اُن کا اشارہ دیکھو میرا سلام دیکھو

قاعدوں میں حسنِ معنی گم کرو — شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرو ۷۱۲

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہے لیکن — زمین و آسماں کو دیکھکر پہلے مسلماں ہو ۷۱۵

ساتھی ملے جب ایسے نازک خیالیاں کیا — سینا ہے جیب گری کا سوئی نہیں کیوں ہو ۷۱۶

یوں جلد نہ رخصت ہو جو گل باغ سے چن لو — انصاف یہ کہتا ہے کہ بلبل کی بھی سُن لو ۷۱۷

دنیا میں مصیبت جانا ہے ہر اک نے اجل کے آنے کو — ہم نے تو تماشا سمجھا ہے اس بھیڑ میں گم ہو جانے کو ۷۱۸

تم ملو یا نہ ملو مجھ سے منو یا نہ منو — ساتھ رہنا ہے اسی ملک میں اے ہم وطنو ۷۲۰
اہلِ مغرب سے بھی کہتا ہوں مبارک ہو یہ قد — آسماں تنگ ہو تم پر مگر اتنا نہ تنو

جہاں کی بات ہو اکبر اُسے جا کر وہیں دیکھو — عوض اخبار کے تم صفحۂ روئے زمیں دیکھو ۷۲۱
کسی کو بھی کسی سے کچھ نہیں اس بات میں جھگڑا — کرو تم دھیان پرمیشر کا دل کو اسکا درشن ہو ۷۲۲

مگر مشکل تو یہ ہے نام سب لیتے ہیں رب کا — غرض لیکن یہ ہوتی ہے جھگڑا ہو اور کچھ جن ہو

نورِ عبرت سے منور ہیں دل و چشم و دماغ — آپ تاریک نہ سمجھیں مرے ویرانے کو ۷۲۴

دل پہ مشکل کر دیا دنیا نے اب تمکین کو — سہل کر مجھ پر الٰہی اپنے سچے دین کو ۷۲۵

دل وہ اچھا ہو جو محوِ چشمِ یار — شعر وہ اچھا کہ جس پر صاد ہو ۷۲۶

۷۲۷ جو اصل کار دیں ہے وہ فقط وحدت فقط اک ہو — مذاہب کو بہت جانچا لبن اپنے منھ میاں مٹھو
جو سچی بات تھی کہدی وہ میں نے دو ہی مصرعوں میں — پڑھیں اب اپنی تصنیفوں کو لا کر پیر و جستجو

۷۲۹ خوب یہ بات کہی آپ نے پکارو اُس کو — بد دعا سانپ کو کیا دیتے ہو مارو اسکو

۷۳۰ جس صحبت کے تم اہل نہ ہو — اس صحبت میں شرکت نہ کرو

۷۳۱ خوب لڑوایا باہم دل کھولکر — مار ڈالا رادیوں نے قوم کو

۷۳۲ نہیں انصاف اسمیں اگر تو قافیوں کی پیروی ہو — غزل اگر ہو تو عاشقانہ جو مثنوی ہو تو معنوی ہو
اکھو یہ اکبر سے بیٹھ چکا حرم کے اندر خدا اکبر — ہر ایک کا یہ مشن نہیں ہے کہ دیر دنیا میں غزنوی ہو

۷۳۵ شرک چاہے بہائے میرا لہو — میں نہ چھوڑونگا لاشریک لہٗ

۷۳۶ تو تحمل کی بہت خوب ہے لیکن انساں — ظلم کو ڈھونڈھ کے اسکا تحمل کیوں ہو

۷۳۷ تابع ہوں ہادیانِ طریقِ صواب کا — لیکن طلب کروں گا خدا کی پناہ کو
اسکے خلاف آپ کی بحثیں ہیں نا درست — فرمایئے چراغ کو دیکھیں کہ راہ کو

۷۳۹ نامِ خدا زبان پہ گو ہے دعا کے ساتھ — ممکن نہیں خیالِ خدا ماسوا کے ساتھ
اس دیرِ بے ثبات میں اللہ کو نہ بھول — بدلا نہ کر بتوں کی نگاہ و ادا کے ساتھ
اظہارِ وجد کے لیے محفل کی کیا تلاش — بن خاک راہ ناچ لیا کر ہوا کے ساتھ
وہ بت کرم کے ساتھ ہو یا ہو جفا کے ساتھ — ہم ہیں خدا کے ساتھ رہینگے خدا کے ساتھ

۷۴۵ حسن یعنی بس چند الفاظ کہنا مجھکو نہیں ہے اب کچھ — ہر اک کو صبر کی ضرور کوئی نہیں ہے جو پاس تب کچھ

۷۴۶ عیشِ دنیا کا ہے شوق سوئے اغیار کے ساتھ — دل مرا شاد ہے سینے میں غمِ یار کے ساتھ
کام نکلے گا نہ اے دوست کتب خانوں سے — رہیے کچھ روز کسی محرمِ اسرار کے ساتھ

۷۴۵ مادہ ہی نہیں الفت کا بتِ بے دیں میں — مجھکو کچھ رشک نہیں ہے وہ رہے غیر کے ساتھ

بڑھا آتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ | لیے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ ۵۰
تمھاری احتیاطیں مطمئن کرتیں نہیں مجھکو | سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے جو آہستہ آہستہ

سینہ پُر غم ہے دل کے چور کے ساتھ | ہنس رہا ہوں مگر حضور کے ساتھ ۵۳
مرا احسان کیوں نہ ہو مغموم | شکر ادا کرتے ہیں غرور کے ساتھ
خضر تو رہبری کو تھے موجود | راہ چلدی مگر حضور کے ساتھ
سونے جاتے ہیں قبر میں اکبر | اب اٹھیں گے صدائے صور کے ساتھ

کیا جلوے ہیں اسکے پیش نظر سبحان اللہ سبحان اللہ | یہ ارض و سما یہ شمس و قمر سبحان اللہ سبحان اللہ ۵۴
ہر آن کا ہے اک رنگ نیا ہر رنگ کی ہے اک شان جدا | وحدت کا شجر کثرت کے ثمر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ زمزمہ ہائے مرغ چمن یہ نشو و نمائے سرو و سمن | یہ سبزہ و گل یہ سنبل تر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ ابر رواں یہ برق تپاں یہ پرتو انجم نور فشاں | یہ پردۂ شب یہ حسن سحر سبحان اللہ سبحان اللہ
اس درجہ ترقی خاک کو دی وہ ہوش میں آیا شوق بہی | اس شوق کا خود منظور نظر سبحان اللہ سبحان اللہ
بس جائیگی اسمیں سانس تری ہو جائیگا تو پاکیزہ نفس | دن رات کہا کر اے اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ

اکبر اس فطرت خاموش کو بے حس نہ سمجھ | ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ ۵۵
راحت زیست کے سامان سے دھوکے میں نہ آ | امتحاں گاہ کو تو عیش کی منزل نہ سمجھ
جاہ و منصب میں نظر عاقبت کار پہ رکھ | خاتمہ جسکا ہو افسوس اُسے آنس نہ سمجھ
صبر کے ساتھ مصیبت میں جو ہو حسن عمل | بہر انجام یہ امرت ہے اسے بس نہ سمجھ
دل کا دنیا کی امیدوں سے بہلنا ہے برا | زندگی تلخ کریں گی انھیں مونس نہ سمجھ

خدا سے غافل اور اسیر نعمت دنیا | اسی کی شان ہے احسان ناسپاس کے ساتھ ۵۶
کہاں جہنم و جنت کہاں عذاب و ثواب | دل اب تو ہنستے ہیں کالج کے فیلپن کے ساتھ

۷۵۷ قدم بہت نہ بڑھا غیر کے قیاس کے ساتھ — وہ خوب ہے جو رہے اپنے ہی حواس کے ساتھ

۷۵۸ انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ — دنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

۷۵۹ دنیا میں لطف نیست ہے طولِ امل کے ساتھ — پیری میں اب کہاں وہ خیالِ اجل کے ساتھ

۷۶۰ کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ — کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

۷۶۱ جو پائے رازِ حسنِ ازل سے کہے کوئی — سُن صوتِ سرمدی کو کلامِ مبیں کو دیکھ
ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ — معنی یہ ہیں کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں کو دیکھ

۷۶۲ گو سائنس چل رہی ہے خواب نہیں جندہ — مشرق بہ دست مغرب مُردہ بدست زندہ

۷۶۳ زورِ بازو نہیں تو کیا اسپیچ — ہاتھ بھی دے خدا زباں کے ساتھ
کون جانے یہ قبر ہے کس کی — نام رہتا نہیں نشاں کے ساتھ
آپ گنوائیں شہد و شیر و کباب — یاں نمک بھی نہیں ہے نان کے ساتھ
اس زمانے میں غیرتِ ملت — رہتی ہے جان کی اماں کے ساتھ

۷۶۴ جو یہ سچ ہو کہ جو چاہوں وہی ہو — تو چاہوں گا وہی ہونا ہے جو کچھ
ہنساتے ہیں وہ کیوں غیروں کو مجھ پر — یہی رونا ہے اب رونا ہے جو کچھ

۷۶۵ کچھ پتا اللہ کی مرضی کا پا جائے گا تو — حالتِ موجودہ کا کیا اقتضا ہے اسکو دیکھ

۷۶۶ لاکھ منظر ہیں دکھادوں کہ جو ہیں جانب بت — ایک وہ آپ دکھا دیں جو ہو اللہ کے ساتھ
تیری تنخواہ بڑھی شکر ہے لیکن اے دوست — تیری تو کچھ نہ ترقی ہوئی تنخواہ کے ساتھ

۷۶۷ عاشق کی طبع لاکھوں ہی جو شیں ہے رواں — الفاظ کر سکیں گے نہ اُن کا محاصرہ
اے عقل اعتراض سے کچھ فائدہ نہیں — کیوں کرتی ہے زباں سے دل کا مقابلہ

۷۶۸ ایں سخن مقبولِ اہلِ دل بود چوں آئینہ — بیخودی در سجدہ جا خواہد خودی دیدہ آئینہ

۴۶۹ کیا ہی جسنے اس عالم کو پیدا اسکو کیا کہئے　　خرد خاموش ہی اور دل یہ کہتا ہی خدا کہیے
اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں اربابِ بینش کی　　کسے اللہ کہیے اور کسکو ماسوا کہیے
سرافرازی ہو اونٹوں کی تو گردن کاٹیے انکی　　اگر بندر کی بن آئے تو فیضِ ارتقا کہیے
مری قرآن خوانی سے نہوں یوں بدگماں حضرت　　مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہیے
یہ انکا کورس کیا کم ہی کہ میں بھی کچھ کہوں انسے　　مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہیے
نئی ترکیب شیطان کو سوجھی ہی اغوا کی　　خدا کی حمد کہیے ترک بس مجھکو برا کہیے

۴۷۰ اگر میں ہوں تو سب کچھ ہی جو سب کچھ ہی تو جھگڑا ہے　　اسی میں کی خبر لینا ہی کچھ ہی بھی کہ دھوکا ہی
جو روز افزوں نہیں ترک تعلق آپ کا اکبر　　تو پھر یہ شاعری کیا واہ وا کا اک تماشا ہی

۴۷۱ معاذاللہ دورِ چرخ کیا کیا رنگ لاتا ہی　　جنھیں آتا تھا ہم پر رشک اب انکو رحم آتا ہی
نسیمِ صبح اور کلیاں تو دیکھیں اس گلستاں میں　　ہم ایسے دل گرفتوں کو بھی یاں کوئی ہنساتا ہے

۴۷۲ طبع پر عبرت کی بدلی ایک دن چھا جائیگی　　شوخیِ برقِ فنا انکو بھی تڑپا جائے گی
دل نئے ہیں اور تمنائیں بھی کم عمر ہیں　　رفتہ رفتہ نوجوانوں کو سمجھ آجائے گی

۴۷۳ شادی کی کیا خوشی ہی غم کا بھی رنج کیا ہی　　وہ بھی تھی اک بجلی اور یہ بھی اک ہوا ہی
آنکھوں نے خوب دیکھا اور دل نے خوب سمجھا　　کچھ بھی نہیں ہی جو کچھ اللہ کے سوا ہی
معنی کا آئینہ ہے اکبر کا یہ لطیفہ　　ہنسنا بھی اک مرض ہی رونا بھی اک دوا ہی

۴۷۴ ایک پاتا ہے ایک کھوتا ہی　　ایک ہنستا ہی ایک روتا ہی
سارے اسباب ہیں اسی کے مطیع　　جو خدا چاہتا ہے ہوتا ہی

۴۷۵ دل کو جنبش نہیں چلتی ہیں یہ باتیں بے سود　　بے عمل علم کی تکرار سے کیا ہوتا ہے
جب قدم راہِ طلب میں نہ بڑھے اے اکبر　　بیٹھکر پاؤں ہلانے کا نتیجہ کیا ہے

٤٧٦ میں نے تو اپنے دل کو روکا ہے — آپ کو بھی کسی نے ٹوکا ہے

٤٧٧ جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھکو تمپر — ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے
عام الزام ہے اکبر پہ کہ پیتا ہے کیوں — اسکی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

٤٧٨ خدائی تیری ہے ہم بھی ہیں اے خدا تیرے — مصیبتوں میں پکاریں کسے سوا تیرے

٤٧٩ گذری بہار پھول تماشا دکھا گئے — آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں کیا آئے کیا گئے

٤٨٠ اکبر جگر افگار رہے یہ ہوا بھی بہت ہے — عزت کیلئے عشق میں اتنا بھی بہت ہے
مطلوب نہیں زینتِ دنیا کا نظارا — اب دیکھ بھی سکتا نہیں دیکھا بھی بہت ہے

٤٨١ نشانِ ظلم مٹا دے مجھے مٹا کے فلک — خدا کے علم کو کیونکر مٹا سکے گا کوئی
وہ مستغیثوں کی سینے کو آئے تیغ بکف — بھلا زبان شکایت ہلا سکے گا کوئی

٤٨٢ بادو باراں مدد کریں جس کی — وہی پودا یہاں پنپتا ہے
ہر طرف سے جو ٹوٹتی ہے آس — آدمی ہر کا نام جپتا ہے
گرمیِ موسم شباب اُف اُف — یہ سمجھئے کہ جیٹھ تپتا ہے
فرقتِ دائمی معاذ اللہ — آدمی مدتوں تڑپتا ہے
ونکلنا پڑا اسٹرک کے ساتھ — آج تو میرا گھر بھی نپتا ہے

٤٨٣ عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے — یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جسکے ساتھ مرنا ہے
جو مستقبل کے شائق ہیں انھیں انجمن مبارک رہے — ہمیں تو صرف اب گذرا زمانا یاد کرنا ہے
گلِ پژمردہ سے غنچے کو ہمدردی نہیں ممکن — ابھی تو اسکو کھلنا ہے ابھی اسکو سنورنا ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے مرے سینے میں اے اکبر — تعجب ہے کہ رہنا سہل ہے مشکل ٹھہرنا ہے
خدا جانے وہ کیا سمجھے کہ بگڑے اسقدر مجھپر — کہا تھا میں نے اتنا ہی کہ کچھ عرض کرنا ہے

فطرت میں کہاں وہ شکلیں ہیں جو وہم دکھا دیتا ہے کبھی — فطرت ہی کا جزو اک وہم بھی ہے دل یہ بھی سکتا دیتا ہے کبھی ٧٨٤
جہاں کی حادثوں پر اک اثر ہوتا ہی رہتا ہے — مگر جو اقتضا فطرت کا ہے ہوتا ہی رہتا ہے ٧٨٦

نہ کھول آنکھ کسی عکس بے بقا کے لیے — صفائے دل پہ نظر رکھ فقط خدا کے لیے ٧٨٧
رضا کی شرط یہی ہے کہ کچھ طلب نہ کرو — دعا سے ہاتھ اٹھاتا ہوں میں خدا کے لیے

اے بتو کیا میں بتاؤں مجھے کیا آتا ہے — بس تمہیں ہیچ سمجھنے میں مزا آتا ہے ٧٨٨

کانپ جاتا ہوں جو سنتا ہوں کسی سے زندہ باش — بعد اس غم کے مرا جینے سے ڈرنا دیکھیے ٧٨٩
رنج دینے کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے حریف — حضرت اکبر کا اس پہ کچھ نہ کرنا دیکھیے

شیخ جی کی نظر میں ہوں فقط — میری نظروں میں ساری دنیا ہے ٧٩٣
بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر — مجھکو حیرت ہے انکو غصہ ہے
ایک جمتا ہے ایک پھسلتا ہے — کام دنیا کا یونہی چلتا ہے
دل تعلق بڑھا کے پچھتایا — پاؤں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے

غفلت کی ہنسی بھی خوب ہنسا اور رنج میں اکثر رویا بھی — دنیا کو بہت کچھ اے اکبر حاصل بھی کیا اور کھویا بھی ٧٩٧

حقیقت زیست کی پیری میں ہم سمجھے تو کیا سمجھے — بڑا دھوکا دیا ظالم نے دنیا سے خدا سمجھے ٧٩٨

ہزار آرائشیں صدقے ہیں اسکی سادہ وضعی پر — نہیں محتاج فیشن علم نے جسکو سنوارا ہے ٨٠٠

کھلتی نہیں کچھ بھی راہ عمل اور وقت گذرتا جاتا ہے — الجھی ہی گئی ہے غفلت میں بال و پر دل ہے کہ مرجھاتا ہے ٨٠١
مایوسی نے محفوظ کیا امیدوں کی بیتابی سے — اب تھک بھی تھمتے جاتے ہیں اور دل بھی ٹھہرا جاتا ہے

خدا کا نام روشن ہے خدا کا نام پیارا ہے — دلوں کو اس سے قوت ہے زبانوں کو سہارا ہے ٨٠٢
خدا ہی ہے زمین و آسماں کا خالق و مالک — اسی کی قدرت و صنعت نے عالم کو سنوارا ہے
تماشا اسکی قدرت کا ہے بر و بحر میں ہر دم — ادھر موجیں ہیں دریا کی ادھر پانی کا دھارا ہے

اُسی کے حکم سے ہی رات دن کی یہ کمی بیشی — اسی کے حکم کا تابع فلک پر ہر ستارا ہی
اُسی کے حکم سے پھل اور غلے کی ہی پیدائش — زمیں پر بدلیوں سے اُسنے پانی کو اُتارا ہی
اُسی کے انتظام و حکم سے موسم بدلتے ہیں — وہی ہر وقت پر جسنے ہواؤں کو اُبھارا ہی
زمیں پر سبزہ و گل کی نمودیں کیسی پیاری ہیں — فلک پر چاند سورج کا بھی کیا دلکش نظارا ہی
ہر اک ذرہ نہیں عالم میں اُسکے علم سے باہر — جو مرضی اُسکی ہو دخل اُسمیں دیہ کسکو یارا ہی
وہی دنیا میں ہے انس زندگی و موت کا خالق — ہر اک کو اپنی مرضی سے جِلایا اور مارا ہی
دو روزہ زندگی ہی جاہ و حشمت پر نہ ہو غافل — فریدوں ہی نہ کیخسرو سکندر ہی نہ دارا ہی
یہ جب تک سانس چلتی ہی سمجھتے ہو ہمیں ہم ہیں — اجل جب سر پہ آپہنچی تو پھر کیا بس ہمارا ہی
کرو طاعت خدا کی بس وہی معبود برحق ہی — اُسی کی شان یکتائی جہاں میں آشکارا ہی
اگر اعمال اچھے ہیں تو پاؤگے بڑے درجے — سمجھ لو امتحاں اس دار فانی میں تمہارا ہی
بزرگوں کا ادب اللہ کا ڈر شرم آنکھوں میں — انھیں اوصاف کی نسبت مذاہب میں اشارا ہی

[illegible] ہی کی سبھا ہی بہتر جو سمجھمند ہی حقیقتاً نہیں ہی — ہمارے صوفی کا رنگ چھا کہ وجد اور بیہم کہتا ہے
اس کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے — اس ونٹ کو خر عیسے بنا کے چھوڑیں گے

[illegible] شوق سے مسلم غذا میں مے داخل — شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے
کہا یہ شیخ سے اکبر نے روک اپنی زباں — کہ تجھکو بھی وہ مجھی سا بنا کے چھوڑیں گے

[illegible] ہستی سکھا ہی دیتا ہی خود پرستی — ہو اُنے دم بھر جو کی لگاوٹ جناب بھی بستر اٹھا کے اُٹھے

[illegible] جو دل پر نقش حسن مدعا کھینچے — اُنفس وہ ہی کہ جو سینے سے آہ دلکشا کھینچے
[illegible] بہ بست سجدہ دیدار فردا ہو — وہی دل خوب جو یہ انتظار جانفزا کھینچے
[illegible] سے نخوت نہیں کرتے — کھنچے بندوں سے کیوں اپنی طرف جسکو خدا کھینچے

نہ چھوڑا صفحۂ روئے زمیں تعمیرِ غفلت نے ۔۔۔ ہزاروں نقشِ عبرت گو فلک نے جا بجا کھینچے
حرم میں دم بخود بیٹھا تو اکبر نے کیا اچھا ۔۔۔ وہ کیوں بے سود بتخانے میں آہِ نارسا کھینچے

نگاہ اُٹھتی ہی احساس ماسوا کے لیے ۔۔۔ کہاں ہی دل سے بڑھے ذرا خدا کے لیے
رواں ہو کارِ جہاں کیوں ہماری مرضی پر ۔۔۔ خدا ہمارے لیے ہے کہ ہم خدا کے لیے
عمل خدا کے لیے ہو تو اُس کا کیا کہنا ۔۔۔ مگر ریا یہ بُری صرف واہ وا کے لیے

شتاب ریگ عزلت میں جو خوفِ حق سی روتا ہی ۔۔۔ وہ گویا اپنی زلفِ سعی میں موتی پروتا ہی ٨٠٩

متاعِ حسنِ یوسف ہی نہ وہ شوقِ زلیخا ہی ۔۔۔ ریا کی گرم بازاری زبردستی کا سودا ہی ٨١٠

اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے ۔۔۔ غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہی ٨١٢
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام ۔۔۔ یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہی

خزاں آتی ہی اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہی ۔۔۔ مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہی ٨١٣
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں ۔۔۔ مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انہیں چھلنا ہی پڑتا ہی
فنا کے رنگ سے دل خون ہوتا ہی مگر اکبر ۔۔۔ زباں کو واہ کرنے کیلئے ہلنا ہی پڑتا ہی

توپ کھسکی پروفیسر پہنچے ۔۔۔ جب بسولا ہٹا تو رندا ہے ٨١٤

خاصانِ حق کو حشر میں کیسی شکایتیں ۔۔۔ عالم ہی دوسرا ہی وہ دنیا نہیں رہی ٨١٥
ایسے ہوئے ہیں محو تماشائے حسنِ دوست ۔۔۔ دشمن سے انتقام کی پروا نہیں رہی

طبیعت سے خیالاتِ غم افزا جا نہیں سکتے ۔۔۔ بُرا ہو حافظے کا داغِ دل مرجھا نہیں سکتے ٨١٦
فلک کیا اس چمن میں جز شکستِ دل کا مجھ سے طالب ہے ۔۔۔ کہ شاخیں ہل نہیں سکتیں عنادل گا نہیں سکتے

کس طرح کہتا کہ جو چاہوں وہ ہونا چاہیئے ۔۔۔ کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہیئے ٨١٧
کہدیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا ۔۔۔ اس جمع دی کا حشر کیا ہوتا ہی دیکھا چاہیئے

٩١٩ کیا اثر اس پہ مرا ہوگا یہی رونا ہے — یہ تو ظاہر ہے مرے بعد بھی کچھ ہونا ہے

٩٢٠ نہ بھول اسپر کہ پیا دوہ تجھے اچھا سمجھتا ہے — تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے

٩٢١ حرص دنیا سے نہیں صاحب عزت بری — خانقاہیں اور ہیں اور دل کا کونا اور ہے
مدحت گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند — خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

٩٢٢ شکم پرور ہنر تو باپ سے بیٹے تک آتا ہے — مگر انسان بننا یہ فرشتہ ہی سکھاتا ہے
خدا ہی ہے نہیں اسکے سوا حاجت روا کوئی — خلاف اسکے جو ہو شرک ہے میں مجرم ہوں یا کوئی

٩٢٤ ہر وقت ہے جسپر غم طاری ہر روز ہے جسے عاشورا — سمجھا ہے وہی معنی عزا ایمان اسی کا پورا ہے

٩٢٥ گور فل اپنا کام کرتا ہے — تیر بھی موت ہی سے مرتا ہے

٩٢٦ بس یہی کام سب کو کرنا ہے — یعنی جینا ہے اور مرنا ہے
اب رہی بحث رنج و راحت کی — یہ فقط وقت کا گذرنا ہے
سب سے بدتر ہے تو نفسے ہے امید — سب سے بہتر خدا سے ڈرنا ہے
گل سے پوچھو کس انتظار میں ہو — غنچے کو تو ابھی سنورنا ہے
نشہ جنکو چڑھا ہے نخوت کا — انکے چہروں کو بھی اترنا ہے

٩٢٧ کمیٹی میں چندہ دیا کیجئے — ترقی کے ہجے کیا کیجئے

٩٢٨ یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز — یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے
دیکھ میں جنگل تو پیدا ہو ہر نفس کہ یاد حق — زندگی کو دستِ غفلت میں نہ دینا چاہیئے

٩٢٩ بس کہ دو رنگی دل اس تیرہ درون کا ہے بھرا — یہ تو بربادی ارباب دغا چاہتی ہے
لگی لپٹی نہ لگا بیٹھی تھی تلوار کی جنگ — توپ کیا چاہتی ہے صرف دغا چاہتی ہے

٩٣٠ جسم و جان و گروہ بندی ہیں — مبتلا یاں کا ذرہ ذرہ ہے

طب میں پرہیز شرع میں تقویٰ پالٹکس میں وہی تبرا ہے
مدعا سب کا جو نہ سمجھے ایک غالباً عقل سے مبرّا ہے

٨٢۴ تقاضا اضطراب شوق کا بڑھتا ہی جاتا ہی یہ پارہ شیشۂ دل میں مرے چڑھتا ہی جاتا ہی
جو ہمکو برا کہتے ہیں معذور ہیں اکبر حق یہ ہی کہ ہم بھی انھیں اچھا نہیں کہتے
ہم حضرت عیسیٰ کا ادب کرتے ہیں بجد لیکن انھیں اللہ کا بیٹا نہیں کہتے

٨٢٥ جسنے اس ضعف پہ بھی مجھکو جلا رکھا ہے میں نے بھی دل اُسی قوت سے لگا رکھا ہی

٨٢٦ اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ میں کچھ جدیشن میں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہی ضبط پولیس ہی زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

٨٢٧ علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے دورِ انقلاب کا ہی حکومت فنا کی ہے
جغرافئے سے حال گورمنٹ پوچھئے ہم تو یہ جانتے ہیں خدائی خدا کی ہے
مجبور عاجزی یہ ہے منکر کی طبع بھی خواہش کو کیا سمجھتے ہو صورت دعا کی ہے
جو منزلیں ہیں نفس کی سب ہیں فنا پذیر حق پر قیام دل ہو یہ صورت بقا کی ہے

٨٢٨ اسے جنگی بنائے گی اُسے ذوقِ بکا دیگی جدھر چاہیگی یہ فطرت اُدھر اُسکو جھکا دیگی

٨٢٩ مذہب کسی سے میں نے سیکھا پڑھا نہیں ہی اتنا ہی جانتا ہوں بندہ خدا نہیں ہی

٨٣٠ شکستہ دل تو تھے ہی ہمیں جگر بھی اب خوں ہو چلا ہی خدا کی جو مصلحت وہ بہتر یہی ہے شاید مرا بھلا ہی
کوئی ہی اچھا تو اپنے حق میں کوئی برا ہی تو اسکا ذمہ نہ اسکی نعمت کے مستحق تم نہ بدلگی تم پر کوئی بلا ہی
نہیں ہے جو شیطاں کے مقابل تو کیا ہے بیح دلی حاصل کمر سے تلوار تو ہے غائب مگر چمک اسکی دیدہ بلا ہے
نظر ہے جو بادی طریقت قدم ہو سوئے طریق وحدت یہی ہیں دل میں بھی کہہ رہا ہوں یہی تو ان کا ملا ہے

٨٤١ فریبِ ہستی کا کھل گیا ہی نگاہ دنیا کو پا گئی ہی ۔ عمل کی توفیق بھی خدا نے سمجھ تو کچھ مجھکو آ گئی ہی
کہاں یہ ارض و سماو کوکب کہاں یہ ہم تم کہاں یہ سب سب ۔ قدم کی اک موج ہی زمانا سو یہ بھی اک لہر آگئی ہی

---

٨٤٢ زبان کھولی ہی محفل میں واہ وا کے لیئے ۔ کبھی تو بند کر آنکھوں کو بھی خدا کے لیئے

---

٨٤٥ فلاسوفی کے مکالموں میں کسی نے یہ خوب ہی کہا ہی ۔ جو تندرستی ہو تیری اچھی تو سانس ہی میں تمہارا ہی

---

٨٤٦ شکرِ خالق کی ہمیشہ مجھکو جا ملتی رہی ۔ سانس لینے کے لیئے کافی ہوا ملتی رہی
غم کے داغوں سے رہی ایذا مگر یہ بھی ہوا ۔ مجھکو پیہم لذتِ یادِ خدا ملتی رہی

---

٨٤٨ رفتار اور سمت میں سوچ ہو اگی ہے ۔ اے قصہ گوئے بدر ضرورت حرا کی ہے

---

٨٤٩ بے ساز و بے مغنی یاں وجد آ رہا ہے ۔ ہر وقت بج رہا ہے ہر ذرہ گا رہا ہے

---

٨٥٠ ہو جو بہ بتوں کی چشم کرم دل کو طلب صلا نہ رہی ۔ مجھکو بھی خدا نے غیرت دی انکو جو مری پروا نہ رہی
دنیا کا تردد جبتک تھا جبتک کہ ہم اسکے طالب تھے ۔ پھیری جو نظر غم ہو گئے کم غربت نہ رہی دنیا نہ رہی
سچ پوچھیے تو راحت ہی ملی دنیا سے جدا ہو جانے میں ۔ تھوڑی سی ہی اداسی ہی تبھی ہو آفت تو مگر برپا نہ رہی

---

٨٥١ میں یہ نہیں کہتا کہ دوا کچھ نہیں کرتی ۔ کہتا ہوں کہ بے حکم خدا کچھ نہیں کرتی

---

٨٥٢ اچھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے ۔ اچھا وہ دل جو درد کی لذت طلب کرے

---

٨٥٣ خاک کے ساتھ کھیلتی ہے روح ۔ یں کی مٹی خراب ہوتی ہے

---

٨٥٤ دل میں خاک اڑتی ہی خالی لہجہ و لب دیکھیے ۔ مذہب بے خصت ہی بس تاریخِ مذہب دیکھیے

---

٨٥٥ کیوں میں پوچھوں کہ جناب آپکا مذہب کیا ہے ۔ دیکھتا ہی ہوں شب و روز کہ مطلب کیا ہی

---

٨٥٦ صرف موجودی سے تو آتی نہیں عظمت دل میں ۔ آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہی

---

٨٥٧ یہ عقل ہی ہی محب بھی عدو بھی ہوتی ہے ۔ کہ مانتی بھی نہیں مضطرب بھی ہوتی ہی
وہی نگاہ جو رکھتی ہی مست رندوں کو ۔ غضب یہ ہی کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہی

۵۵۹ کچھ فرض نہیں آپ کا ہر چیز پہ قبضہ　　دنیا میں بہت کچھ ہے تو کیا سب کے لیئے ہے
گر آہ جو تیرہ ہو ترا مطلع امید　　یہ شمع شب افروز اسی شب کے لیئے ہے

۵۶۰ دنیا کی طوالت بیحد ہے خلقت کا تو لنبا قصہ ہے　　ہر شخص فقط یہ غور کرے اس محل میں میرا کیا حصہ ہے

۵۶۱ کہیں کیا یہ تو ان حضرات کو مطلب سکھاتا ہے　　کہیں کیا یہ مناسب وقت پر شہدے سکھاتا ہے
جہاں قول و عمل یکساں ہے اور ہو اک لی طاقت　　تو انکا پوچھنا کیا اُن کو اُنکا رب سکھاتا ہے

۵۶۳ انکو تو ہمیں شب سے کیا کرتے ہیں منسوب　　تخصیص کواکب کو فلک پر نہیں شب سے

۵۶۴ نہ ماضی اسپہ غالب ہے نہ مستقبل کا طالب ہے　　اسی کو حال کہتے ہیں یہی دل کو مناسب ہے
مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے　　میخانہ دل ہے اُس کی شرابوں کا زور ہے

۵۶۶ میرا تو ہر سخن اسی مطلب کے ساتھ ہے　　کم ہیں خدا کے ساتھ خدا سب کے ساتھ ہے

۵۶۷ پولیس خفیہ پہ انسداد جرم ہے ٹھیک　　نہ چاہیے کہ وہ ہو انسداد گپ کے لیئے
کوئی نہ آیا مرے پاس پھر کو جیب کے لیئے　　جو صورتیں نظر آئیں وہ صرف ہپ کے لیئے

۵۶۹ نگاہِ ظاہر طریقِ عرفاں میں گئے سو انکار کیوں نہ لیکے　　کہاں سے لائے وہ چشم معنی کہ برق چمکے نظر نہ جھپکے
ہیں طاقتِ فہم سے محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی　　کہ ہوش مجھکو ملا ہے تو دل کے نظر بھی مجھکو ملی ہے بھٹکے
تمھاری تعلیم کے مصالح جو چاہیں سائیں ان پہ شوخی　　مری نظر میں تو حسن یہ ہے کہ چشم خوباں سے شرم ٹپکے
ہوا ہے خون آرزو کا اکثر یہ ہے بہارِ کلامِ اکبر　　سخن کو رنگین کر دیا ہے دل و جگر نے تڑپ تڑپ کے
جو میرے دل کا ابھار دیکھا جو رنگ سکا تو انکو بھایا　　تو پوچھا یہ پھل کہاں سے پایا کہا یہ میں نے کسی کو چپ کے
انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی　　انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی
فقط مرا ہاتھ چل رہا ہے انھیں کا مطلب نکل رہا ہے　　انھیں کا مضمون انھیں کا کاغذ قلم انھیں کا دوات انکی
نہیں خصائل یہی طبیعت یہی تو قسمت یہی رہے گی　　زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا ہماری حالت یہی رہے گی

یہی سیہ کاریاں اگر ہیں تو نورِ صبحِ امید کیسا — یہی ہے زلفِ بتاں کا سودا تو میری ہمت یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے تو ذکرِ عصیانِ غیر کیسا — عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی
ہزار سائنس رنگ لائے ہزار قانون ہم بنائیں — خدا کی قدرت یہی رہیگی ہماری حیرت یہی رہیگی

۵۷۲ تاکیدِ عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے — پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

۵۷۴ لحد کی تیرگی سے حق بجانب دل کی وحشت ہے — یہی وہ شب ہے جس کی صبح بھی صبحِ قیامت ہے
مصیبت پھر مومن پر تو عرفاں ہے اے اکبر — ظہورِ داغِ دل دیباچۂ صبحِ سعادت ہے

۵۷۶ امنگیں ہیں کہ گھر دل میں جنونِ عشق و وحشت کی — پھر اس میں بحث کیا افتاد ہے تو ہر طبیعت کی
ہوائے نفس نے محروم رکھا اوجِ عرفاں سے — بتوں کے زیرِ پا دیکھی بلندی اپنی ہمت کی

۵۷۷ ٹھیک ہے مصرعے کا مضموں قافیہ گو سخت ہے — اہلِ دل نالاں ہیں جس سے وہ بڑا کمبخت ہے

۵۷۹ جو مضطرب ہے اس کو ادھر التفات ہے — آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

۵۸۰ دخلِ اعضا صرف استحقاقِ جنت ہی میں ہے — فیصلہ جینے کے حق کا دستِ فطرت ہی میں ہے
کینہ و پیکار میں بھی ہیں تو ہے اک حظِ نفس — زیست کا اصلی مزا لیکن محبت ہی میں ہے

۵۸۱ کیا خبر تھی کہ گناہوں سے ہے عزت میری — قابلِ دید ہے توبہ پہ ندامت میری
میں عبادت کا تقاضا نہیں کرتا اُن سے — اتنا ہی کہتا ہوں اچھی نہیں حالت میری
قامتِ یار پہ عادی جو ہوئی زلفِ دراز — بل کی لیتی ہے کہ دیکھو یہ قیامت میری
کس کو امید ہے اس کی کہ یہ اچھا ہوگا — کون اس وقت میں کرتا ہے عیادت میری

۵۸۲ دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھیے — نفس کی ہر لذت اور آخر نجاست دیکھیے

۵۸۳ دولت و عزت سے بیگانہ نہیں حالت میری — یہ مصیبت مری دولت صبر یہ عزت میری

۵۸۴ جمالِ معنی جو پایے ہیں یہاں صورت کا سامنا ہے — نگاہ جو پائے امرِ حق کو یہاں مصیبت کا سامنا ہے

عذاب کی یہ یادتی ہے کہ ایسی منظور ہے کمی کچھ　　جہنم میں جو جگہ ملی ہے وہاں سے جنت کا سامنا ہے
نفس نابینا حریص و طالبِ لذّات ہے　　عقل کی خدمت فقط ترتیبِ محسوسات ہے ۸۸۶
ان مشاغل میں تو اے اکبر نہیں کچھ اوجِ دل　　روح کی طاقت جو غالب ہو تو ہاں اک بات ہے
آئے وہ خنجر بکف میں ڈر کے مارے مر گیا　　اُنکی ورزش رہ گئی میری شہادت رہ گئی ۸۸۷
باغباں خاموش گل پژمردہ اور گلشن اُداس　　جب ہوا بدلی تو ساری زیب و زینت رہ گئی
حضرت کی معاشرت بہت اچھی ہے　　مشہور ہیں انتظامِ راحت کے لیئے ۸۸۸
اپنے مذہب میں کیوں بلاتے ہیں مجھے　　جنّت کے لیئے کہ لطفِ صحبت کے لیئے
اس عہد میں شاعر کیلیئے قوت نہیں ہے　　اس باغ میں طوطی کیلیئے قوت نہیں ہے ۱۹۰
نیچر میں جوانی کو تو موجود ہی پایا　　سائنس سے سنتے تھے کہیں بھوت نہیں ہے
لفظوں ہی کے چکر میں ہیں اب فعل و فعلن　　چرخہ ہی چلا کرتا ہے اور سوت نہیں ہے
نیچر ہی کا مطلع ہے بہت معتبر اکبر　　تم دیکھتے ہو پھل میں کوئی چھوت نہیں ہے
مرزا ہوں وہ یا خاں صاحب ہوں دونوں کی محبت ہمکو ہے　　وہ نام کے ہیں یہ کام کے ہیں دونوں کی ضرورت ہمکو ہے ۸۹۱
مذہب کیواسطے نہ شرافت کیواسطے　　ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے ۸۹۳
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھکو پریڈ پر　　تیار ہو رہا تھا میں جنّت کے واسطے
جوشِ جنوں میں بھی عملِ ذہن حسّیت ہے　　احساس میں ہے فرقِ تعقّل رست ہے ۸۹۶
ہو رہا ہے ہر طرف قانونِ فطرت کا نفاذ　　انقلابِ عالمِ فانی خدا کے ہات ہے ۸۹۹
جو ہوا وہ کیوں ہوا اسکی تو توجیہیں بہت　　چاہتا جو ہوں وہ کیونکر ہو یہ مشکل بات ہے
کام لیتا رہ امیدوں سے دعا کر صبر کر　　امتحانِ زندگانی موردِ آفات ہے
یا یوں میں باغِ عالم میں امید یاری چھوٹ گئی　　جس پیڑ کو سینچا سوکھ گیا جس شاخ کو باندھا ٹوٹ گئی ۹۰۰

۹۰۱ ہماری خاطر ہو جمع کیونکر کہ یاس رہ رہ کے ٹوٹتی ہے — الم کا اک سلسلہ ہے قائم امید بندھ بندھ کے ٹوٹتی ہے
اگرچہ عزت کا بھی ہوں طالب تو رندی مجھ پہ ہے غالب — جو شیخ چھوٹیں تو چھوٹ جائیں پر اب یہ کب مجھ سے چھوٹتی ہے
دم سحر جوشِ شوقِ دل سے ضرور ہے انبساطِ باطن — کلی بھی گل کی چٹک رہی ہے کرن بھی سورج کی پھوٹتی ہے

۹۰۲ تقلیل غذا میں ہو پیر منٹ یہی ہے — کر ضبط ہوس سلف گورنمنٹ یہی ہے

۹۰۳ یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہے کھوٹی — عربی میں نظم لکھتے بی اے ہیں صرف روٹی
لیکن جناب لیڈر یہ سنکر یہ شعر بولے — بندھوا لیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے — کس کی نظر ہے غائر کس کی نظر ہے موٹی

۹۰۴ مذاقِ بادہ کشی تھا خلاف حکم خدا — مجھے یہ کہتے بہت کچھ جبر اس کی ٹوٹ گئی
عجیب نسخۂ عرفاں دیا تصوف نے — کہ نشہ تیز ہوا اور شراب چھوٹ گئی

۹۰۵ دریا میں تو صاحب کے اگن بوٹ میں لے گئے — میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

۹۰۷ تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے — حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے
ممنون تو میں ہوں ترا اے سایۂ شجر — سر پر مگر عذاب ہے چڑیوں کی بیٹ سے
عزت کی تو شناخت نہیں ہے مگر مجھے — لذت ضرور ملتی ہے کونسل کی سیٹ سے

۹۰۸ جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

۹۱۰ اصل اللہ سے لگاوٹ ہے — ورنہ مذہب میں سب بناوٹ ہے

۹۱۳ مجھے یہ انقلاب دہر کب خطرے کا باعث ہے — مری طبع رواں اک ماہیِ بحر حوادث ہے

۹۱۵ میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے — جینا ہی رنج دہ ہے اسکا علاج کیا ہے
قوت نہیں ہے جس میں کیوں چاہتا ہے زینت — جب تخت ہی نہیں ہے پھر فکر تاج کیا ہے

۹۱۶ مجھے حیات کی اب احتیاج ہی کیا ہے — مگر مروں نہ تو اسکا علاج ہی کیا ہے

سُنا تھا کل کہ ترقی ظہور پائے گی کل مگر جو غور سے دیکھا تو آج ہی کیا ہے

۹۱۷ مقابل تیرے ہیچ سب پیچ ہے مگر تو ہی خود ہیچ در پیچ ہے

۹۱۸ مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے ہر دم ہے یہی اب اپنی دعا اللہ کا ہو نا پیچ نکلے

۹۱۹ اسکی حرکت ہے کلیدِ مغربی پر منحصر دل یہ سینے میں ہے یا پاکٹ کے اندر واچ ہے
نجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے دیس کو جس نے بھلایا یہ وہی کھماچ ہے
ھوم رول بن سکے میں بھی عجب ہی منتا ہوں اب آئرش کوئی، کوئی انگلش کوئی اسکاچ ہے

۹۲۰ دنیا یونہی ناشادیوں میں شاد رہے گی برباد کیے جائے گی آباد رہے گی
گلچیں کا ستم بھول بھی جاؤں کبھی شاید صیّاد کی بیداد مگر یاد رہے گی
نالے ستم افزا ہیں تو روکوں گا زباں کو دل ہی میں نہاں اب مری فریاد رہے گی

۹۲۱ اگرچہ مضمون زندگی میں الم کی تمہید بھی بڑی ہے خدا کے فضل و کرم سے لیکن مجھے تو امید بھی بڑی ہے
طلب کی منزل میں رنج و راحت سے رہتا ہے اعتدال قائم بہت ہے رمضان کی جو سختی مسرتِ عید بھی بڑی ہے
منھ اپنا غفلت سے موڑ اکبر نماز ہرگز نہ چھوڑ اکبر بہت فوائد ہیں اسکے اندر اور اسکی تاکید بھی بڑی ہے

۹۲۲ بتوں کی بات سے دل مائلِ فریاد ہوتا ہے مگر کہنا ہی پڑتا ہے بجا ارشاد ہوتا ہے
مرے صیاد کی تعلیم کی ہے دھوم گلشن میں یہاں جو آج پھنستا ہے وہ کل صیّاد ہوتا ہے

۹۲۳ جب حکم ہی ہے کوششِ بے سود کیجئے کوئے بتاں میں خوب اُچھل کود کیجئے

۹۲۴ سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی
ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اسکے اندر ہے اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بے چین سہی برباد سہی
وہ خوش کہ کرونگا ذبح اُسے یا قید قفس میں رکھونگا میں خوش کہ طلبگار تو ہے مرا صیّاد سہی جلاد سہی

۹۲۵ جمعیتِ خاطر ہو نہ سکی اسبابِ الم موجود رہے کرتے ہیں مگر ہم شکرِ خدا حاسد سے تو محسود رہے

۹۳۱ کار دنیا سے ہماری دل کشی مفقود ہے — جدت اُس شی میں کہاں ہے آ گئی جو محدود ہے

۹۳۲ رہا نہ خانۂ ہستی میں دل کو لطف کوئی — بس اب تو محو یہ حسرت ہی کے سفر دیں ہے
نہ میں کسی پہ ہوں نازاں اب اور نہ مجھ پہ کوئی — کسی کی گود میں میں ہوں اور نہ کوئی گود میں ہے

۹۳۶ دل نواز و حق نما ان کا ہر اک ارشاد ہے — دیدۂ صاحب نظر میں صحیح فیوض پر صاد ہے

۹۳۷ عشق کو کیوں بے خودی مقصود ہے (جواب) حُسن بے حد ہے خودی محدود ہے
منکشف ہو جائیں اسرار خودی — بے خودی کا بھی یہی مقصود ہے
شرم آدم ہے اطاعت نفس کی — وہ ملائک کا اگر مسجود ہے

۹۳۹ سنتا ہوں مجھے رخصت فریاد ملے گی — منظور تماشا ہے یا داد ملے گی
دل جائے نظر اُنکی ۔ دعا مانگ رہے تھے — معلوم نہیں تھا ستم ایجاد ملے گی

۹۴۰ ذرہ ذرہ اپنی حد بندی میں مست و شاد ہے — تفرقے کے جوش پر ہر سو مبارکباد ہے
حافظے کے فیض نے روکا ہے باب اتحاد — شکوہ انگیز اک قصہ ہر اک کو یاد ہے
واعظ توحید پر دیتے ہیں فتوائے جنوں — خود پرستی کا سبق ہے کافری اُستاد ہے

۹۴۱ میں تو ہمدرد ہوں بس اُن کی گرفتاری کا — قید ہستی سے جو مشتاق ہیں آزادی کے
ڈھونڈھنا چاہیئے تھا اکبر بے کس نے وہاں — ایک ویرانہ بھی ہے متصل آبادی کے

۹۴۲ نیک ہو منزل تو اکبر راہ بد کیوں مانگئے — دوست سے ملنے کو دشمن سے مدد کیوں مانگئے

۹۴۳ حرص دنیا ظلمت دل کی مؤید ہی رہی — پھر بھی یہ پیرانِ نابالغ کی مرشد ہی رہی

۹۴۵ تو رہے جب تو یہ مشکل ہے تردد نہ رہے — یہ تو اس وقت نہ رہ جائے کہ تو خود نہ رہے
چھاؤنی میں ہیں حسن صفا تو وہیں لیڈر بھی — یعنی کیوں ساتھ سلیمان کے ہدہد نہ رہے

۹۴۶ پہچان تم رنگی کی ہے یہی اک خوفِ خدا کی دل میں رہے — اندیشہ بہت گستاخ نہ ہو اور وہم ادب کی حد میں رہے

آگیا ہوں تنگ سرحق ہی طبیبِ روح بے بیدے — دیکھیے کب ہو رہائی زندگی کی قید سے ۹۴۷

گو سب کو ہے تسلیم کہ معبود وہی ہے — کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے ۹۴۸
آنکھوں میں اُتر آتے ہیں موہوم کے نقشے — دل میں یہ سمائی ہے کہ موجود وہی ہے
اللہ ہی کی موج سے پہنچے گا ترا دل — سرچشمۂ فیض و کرم و جود وہی ہے

گذر کی جب نہ ہو صورت گذر جانا ہی بہتر ہے — ہوئی جب زندگی دشوار مر جانا ہی بہتر ہے ۹۴۹
رہِ اصلاح میں گو تیز گامی خوب ہے لیکن — قدم کو لغزشیں جب ہوں ٹھہر جانا ہی بہتر ہے
مواقع دیکھکر اظہارِ مردی چاہیے اے دل — ڈرائیں کھیل میں بچے تو ڈر جانا ہی بہتر ہے
بٹھایا ہے تو نے بزم میں جب اپنا ہی سکہ — جو ہیں اللہ والے اُنکو اُٹھ جانا ہی بہتر ہے
بلاتا ہے مجھے بتخانے سے شیخِ حرم اکبر — نہ جانا گو کہ جائز ہے مگر جانا ہی بہتر ہے

رزق با احتیاج مِل ہی جائیگا — خواہشوں میں مختصر ہو جائیے ۹۵۰
فقر سے شیطاں ڈراتا ہے اگر — حَسْبُنَا اللہ سے نڈر ہو جائیے
خیر خواہی کر کے سرور ہو جائیے — ورنہ مفقود الخبر ہو جائیے

کیا پوچھتے ہو طوقِ غلامی کو کدھر ہے — اپنا ہی تعلق ہے یہ اور اپنا ہی گھر ہے ۹۵۱
پیدا ہے غلامی زن و فرزند کے دم سے — پروا نہ ہو اُنکی تو پھر آزاد بشر ہے
یعنی وہ چلا چاہینگے دنیا کے مطابق — عزت نہ محلے میں گھٹے اس کا خطر ہے
تم دل کو لیے پھرتے ہو وہ نفس کے حامی — رہمو کے غرض دین کی عزت کو ضرر ہے
ایسے بھی ہیں طینت ہی میں جنکی ہے غلامی — پابندیٔ دنیا کا رگِ دل میں اثر ہے
خالق پہ بھروسا ہو تو عزت نہیں گھٹتی — افسوس کہ انسان بہت پست نظر ہے
محنت کا دیانت کا قناعت کا شجر ہو — جس رنگ کا پھل آئے وہ عزت کا ثمر ہے

٩٥٢ تمسے اُستاد ونہیں میری شاعری بیکار ہے — ساتھ سارنگی کا بلبل کے لیئے دشوار ہے

٩٥٣ جنھیں ہے شرک سے نفرت خدا کو ایک کہتے ہیں — یہ انمیں کیوں ابھی تک جنگ او تکرار باقی ہے
سبب اسکا تو ہی ظاہر خدا لب پر خودی میں — بُتانِ سنگ ٹوٹے ہیں بُتِ پندار باقی ہے

٩٥٤ ہمارا مشرقی دل نزع میں ہے وقت آخر ہے — نہیں مغرب کو غم۔ اسکی نظر میں رگ کافر ہے
غرور اتنا نہ کر قوت پر اپنی اے بُتِ ترسا — ہمارے ہوش غائب ہیں مگر اللہ حاضر ہے
بہ دل حاضر ہوئی ہے قوم بزمِ عشق دنیا میں — بس اک میری طبیعت ہے کہ اب تک غیر حاضر ہے

٩٥٥ جو ہیں صابر تم انھیں پہ طاعتِ دشوار کیا کم ہے — نہوں صابر تو انپر معذرت کا بار کیا کم ہے

٩٥٦ رہتے ہیں اس خیال میں ہم اپنے گھر پڑے — کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ ہم پر نظر پڑے

٩٥٨ مشتاقِ حق کیواسطے نعمت کا ڈھیر ہے — بس زندگی حجاب ہے مرنے کی دیر ہے

٩٥٩ جب نہ ہو اصلاحِ بشر دنیا میں پھر آخر کون کرے — غفلت کے سوا اس محفل میں مہمان کی خاطر کون کرے
اک علم تو ہے بُت بننے کا اک علم ہے حق پر مٹنے کا — اس علم کی سبقت دیتے ہیں سند اُس علم میں ماہر کون کرے
غوطہ تو لگائے زمزم میں او غرق ہیں حبِّ دنیا میں — پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے
مذہب کی ہی دھوم اور ساتھ اُسکے اعمال نہیں اخلاق نہیں — پیپ چھپ کی صد ہی جا پر ظرف اس راز کو ظاہر کون کرے
جب علم ہی عاشقِ دنیا ہو پھر کون بتائے راہِ خدا — جب حضرتِ قامت ہو فنا تا اُمید مسافر کون کرے
سو ابھی ہے رنگِ طبعِ بشر فطرت ہی میں ہیں سب اجنبی — اک پھر کوئی شئی آ جائے تو پھر اس کام کو آخر کون کرے

٩٦٠ عشق کہتا ہے بیانِ حال کی پروا نہ کر — تیرے دل کی خود بخود انکو خبر ہو جائے گی
مجھکو اک حیرت ہے اپنے شوق کی اُمید پہ — کیا نگاہِ مہرِ الفت کی نظر ہو جائے گی
میں نے پوچھا ہے تمھیں مجھ سے محبت یا نہیں — ہنس کے فرمایا نہیں اب تک مگر ہو جائے گی
ہیں شبِ فرقت میں کہ دل دہ سوتیں چھپ سے — کس طرح مانوں محبت بے اثر ہو جائے گی

تا لب ہیں جان آئی تو کیا آئی سفر کرنے لگی — ہر سانس مجھکو موت سے نزدیک تر کرنے لگی ۹۶۲

عجب پیچیدگی ہی صورت و معنی کی دنیا میں — جو نافع ہے وہ باطن ہے جو دلکش ہے وہ ظاہر ہے ۹۶۴

خالی حرم کو شیخ ہی تنہا نہ کر گئے — حیرت میں بت بھی ہیں کہ برہمن کدھر گئے ۹۶۵

سودائے مغربی سے ہیں سب کے حواس گم — ایسی یہ تپ چڑھی ہے کہ چہرے اتر گئے

آیا وطن میں پھر کے مگر اسکی کیا خوشی — جن جن کو پوچھتا ہوں یہ سنتا ہوں مر گئے

گم کی تھی ہم نے راہ مصیبت یہی تھی سخت — اس پر ہوا یہ قہر کہ تم ایسے خضر ملے ۹۶۶

کس سے میں پوچھتا گل و بلبل کی سرگذشت — دو چار برگ خشک، تو دو چار پر ملے

باتیں بھی مجھ سے کیں مری خاطر بھی کی بہت — لیکن مجال کیا جو نظر سے نظر ملے

ٹیمز کے ساحل پہ جا کر دیکھئے قسمت کی فال — گو ہستی پر شیعہ و سنی نے کیوں تکرار کی ۹۶۷

سر سے سودائے حرم نکلے خدا سے دل ہو سرد — دیر میں پھر کیا کمی ہے گرمیٔ بازار کی

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبر — دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سنور رہی ہے ۹۶۸

نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو — کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گذر رہی ہے

دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد — کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے ۹۶۹

زندگی بے لطف ہے دشوار ہے — سانس لینا اب مجھے بیگار ہے ۹۶۹

امید ٹوٹی ہوئی ہے میری جو دل مرا تھا وہ مر چکا ہے — جو زندگانی کو تلخ کر دے وہ وقت مجھ پر گذر چکا ہے ۹۷۰

اگرچہ سینے میں سانس بھی ہے نہیں طبیعت میں جان باقی — اجل کو ہے دیر اک نظر کی فلک تو کام اپنا کر چکا ہے

غریب خانے کی یہ اداسی یہ نا درستی نہیں قدیمی — چہل پہل بھی کبھی یہاں تھی کبھی یہ گھر بھی سنور چکا ہے

یہ سینہ جس میں یہ داغ ہیں اب مسرتوں کا کبھی تھا مخزن — وہ دل جو ارمان سے بھرا تھا خوشی سے اس میں ٹھہر چکا ہے

غریب اکبر کے گرد کیوں ہیں خیال واعظ سے کوئی کہہ دے — اسے ڈراتے ہو موت سے کیا وہ زندگی ہی سے ڈر چکا ہے

۹۷۱ عشق ہی میں سکے حسنِ پاک کا اظہار ہے — اشتیاقِ دید کی تکمیل ہی دیدار ہے
ہر تعلق سے جدا کر کے تو اپنے دل کو دیکھ — دل وہ ہے جو بے ہمہ ہونے پہ بھی خود دار ہے
ہجر میں اس گل کے مجھ پر سانس لینا بار ہے — زندگی ظالم مگر اب تک گلے کا ہار ہے
داد دے رفتار کی سستی پہ کیا ہے معترض — آبلہ ہے پاؤں میں اور آبلے میں خار ہے
دعوتِ دیوانگی دیتا ہے نورِ آفتاب — یہ شعاع ایدل گریبانِ سحر کا تار ہے

۹۷۲ نفس تو کہتا ہی ہے ہر دم یہ کرنا چاہیے — کیوں کوئی پوچھے کہ کیونکر جی کے مرنا چاہیے
نفس کی خواہش کے آگے عقل کی سنتا ہے کون — ہیں کہوں کس سے کہ اس غفلت سے ڈرنا چاہیے

۹۷۳ ہماں بہ کز حدیثِ دی و فردا بے خبر باشی — بہ ذوقِ لم یزل امروز سر تا پا نظر باشی
بکش دامانِ شب خیز و شمع دل فروزاں کن — چرا افتادہ در بندِ گریبانِ سحر باشی

۹۷۴ تجھے اے امیدِ فردا دل و جاں سے پیار کرتے — مگر اپنی زندگی کا نہیں اعتبار کرتے
ہے بتوں کی خود نمائی مری غفلتوں سے قائم — میں اگر نظر نہ کرتا تو وہ کیوں سنگار کرتے
لیا ہم نے بوسۂ رخ تو نہ بدگماں ہو اے جاں — کوئی پھول دیکھ لیتے تو اسے بھی پیار کرتے
ترے ہاتھ کی یہ زینت تو ہے شاخِ گل سے افزوں — ہمیں دسترس جو ہوتا تو گلے کا ہار کرتے

۹۷۵ جفا میں بھی ہیں فریب بھی ہے نمود بھی ہے سنگار بھی ہے — پھر اس پہ دعویٰ حق پرستی اور اس پہ یاں اعتبار بھی ہے

۹۷۶ پھیلائیے نہ پاؤں کو زنجیر کے لیے — دنیا ہے ہاتھ اٹھائیے تکبیر کے لیے

۹۷۷ دل مرا اور خواہشیں انکی یہ کیا اندھیر ہے — سحر ہے یا طلسم ہے یا کچھ سمجھ کا پھیر ہے
لوگ کہتے ہیں یہاں گھر کبھی آباد تھا — شاید ایسا ہی ہوا تو خاک کا اک ڈھیر ہے

۹۷۸ جاں بر نہ ہو سکا تو فرقت کی شب سحر کی — طاقت نہیں تھی اکبر تکلیف رات بھر کی

۹۷۹ ہو اگر سینے میں ناسور تو [illegible] ہے — غم سے دل خون تھا اب نور ہوا جاتا ہے

دیکھی لوگے زمانے میں قیامت برپا — نالۂ خستہ دلاں صور ہوا جاتا ہے

چشمِ بتاں نے نفس کی خواہش اُبھار دی — دنیا ہماری دشمنِ دیں نے سنوار دی ۹۸۰
لذت خدا کے نام میں کچھ کم نہ تھی مگر — پیش تحکم زبان نے ہمت ہی ہار دی
بندوق کا نہیں ہے جو لیسنس غم نہیں — میں نے تو اس خیال ہی کو گولی مار دی

جس طرف دیکھو خیالِ تیزیٔ رفتار ہے — منزلِ مقصود کیا ہو یہ سمجھ دشوار ہے ۹۸۲

قرار دل کو نہیں حسنِ انتشار تو ہے — وصالِ یار نہیں ہے خیالِ یار تو ہے ۹۸۴

اتنا جیئے کہ جاننے والے گذر گئے — پرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے ۹۸۶

تم دیکھتے ہو اکبر دنیا کا رخ کدھر ہے — یہ وقت الاماں ہے یہ وقت الحذر ہے ۹۸۹
حیرت سے دیکھتا ہوں ہر صاحبِ خرد کو — اسکی زباں کدھر ہے اور اس کا دل کدھر ہے ٭ ۱۹۲۰

کیا ہو رہا ہے دل میں اثر کچھ نہ پوچھئے — کس پر پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھئے ۹۹۰
کیا کر رہی ہے کبر شکن قدرتِ خدا — ہے پوچھنے کی بات مگر کچھ نہ پوچھئے

جینے والوں ہی کے ہیں ہنگامے — خلق انھیں پر نگاہ کرتی ہے ۹۹۱
مست دنیا میں ہیں یہ کیا جانیں — مرنے والوں پہ کیا گذرتی ہے

خدا کے گھر سے اب آنے کی جو خبر آئے — بتوں کے پاؤں پہ ہمکو تو سر نظر آئے ۹۹۲

ہوا کیوں شوق آزادی کا جب زنجیر ایسی تھی — دل ایسا کیوں ملا ہمکو کہ جب تقدیر ایسی تھی ۹۹۳

خرد کی ناتوانی ہے نظر کی ناصبوری ہے — ہوا جو کچھ ضروری تھا جو کچھ ہوگا ضروری ہے ۹۹۴

حادثے اپنے طریقوں سے گذرتے ہی رہے — کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے ۹۹۵
صفحۂ ہستی پہ آخر کس قلم کی ہے کشش — نقش مٹتے ہی رہے لیکن ابھرتے ہی رہے
انتظار آخر اجل سے کر گیا یاں ہم کنار — چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

۹۹۶ کچھ دیکھتا نہیں ہوں دلِ زار کے لیے — جو کچھ یہ ہو رہا ہے سب اغیار کے لیے

۹۹۸ یادِ حق دل سے دور کر نہ سکے — مجھ سے یہ بُت غرور کر نہ سکے

مجھکو رنجِ شکستِ شیشۂ دل — اُن کو غصہ کہ چور کر نہ سکے

مجھکو تو بس میں کر لیا بیشک — حق کو راضی حضور کر نہ سکے

۹۹۹ دنیا سے قطع خوب اگر خوش نہ رکھ سکے — آنکھوں کو بند کر جو نظر خوش نہ رکھ سکے

دنیا کی لذتیں جو ملی تھیں وہ ہو چکیں — خوش کر لیا تھا دل کو مگر خوش نہ رکھ سکے

۱۰۰۱ جسم بے سر ہے اب ہماری قوم — خوار و زار و خراب و ابتر ہے

ہنس کے کہنے لگے جنابِ مذاق — بس یہ کہیے ہر ایک خود سر ہے

۱۰۰۲ جو مسرت تیری محتاجِ نگاہِ غیر ہے — اس مسرت میں نہ خوبی ہے نہ کوئی خیر ہے

۱۰۰۳ جسکے دل میں شانِ باری کا تصور گھر کرے — اسکو کیا پروا کہ کوئی بُت مرا آدر کرے

۱۰۰۴ خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے — خدا کیا ہے خدا ہے اور کیا ہے

بڑھاتے کیوں ہو تم لفظوں کو آگے — بساطِ ذہن پر یہ جور کیا ہے

۱۰۰۶ اس باغ میں یہ نگاہ کیسر — دل کو بے حد اُبھارتی ہے

ہر کس کے فراق میں پپیہا — کوئل کس کو پکارتی ہے

۱۰۰۷ کہا صیّاد نے بلبل سے کیا تو نے نہیں دیکھا — کہ تیرے آشیاں سے یہ قفس آراستہ تر ہے

کہا اُسنے اسے تسلیم کرتی ہے نظر میری — نشاطِ طبع کی مُہلک مگر بیکاری پر ہے

۱۰۰۹ دیر کے عیش میں تکلیف مع الغیر تو ہے — کعبہ میں کچھ نہ سہی خاتمہ بالخیر تو ہے

۱۰۱۱ جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے — شکم بولا کہ اسکی بحث کیا خادم تو حاضر ہے

شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفسِ امّارہ نے خوش ہو کر — صدا آئی باطن سے اٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

رشتۂ توحید سے ٹوٹا نہیں تارِ نظر — اُلجھنیں کیں خوب پیدا سبحہ و زنار نے ۱۰۱۲
چل گئی موسیٰ کی لاٹھی رہ گیا جادو کا کھیل — ساحروں کے سانپ کو مارا خدا کی مار نے
ریل کعبے تک اگر بن بھی گئی تو ناز کیا — عرشِ باری تک نہیں پائی رسائی تار نے
دیدنی تھا ہجر کی شب وہ ہجومِ انتظار — اور دیکھا ہی نہیں کچھ دیدۂ بیدار نے
باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا اُن کو کام — ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھجک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے ۱۰۱۳
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے
کیانا نہ ہوا ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے
قاتل کو بھروسا قوت کا اور ہم کو خدا کی رحمت کا
ہونا تھا جو کچھ وہ ہو ہی لیا وہ بھی نہ رُکا ہم بھی نہ ڈرے

دل کی بیتابی ہے ثابت آنکھ کے اظہار سے — بجلیاں پیدا ہوئی ہیں آنسوؤں کے تار سے ۱۰۱۸
جب طبیعت خوش نہیں تو کیا کرے اچھا مکاں — دل بہل سکتا نہیں اِبنا در و دیوار سے

چشمِ بینا تو نے پائی ہے تو یہ دنیائے دوں — اک نہ اک دن تیری نظروں سے اُتر ہی جائیگی ۱۰۱۹

کس قدر دلکش نگاہِ ساقیِ مخمور ہے — صبر بھی بیتاب ہے تقویٰ بھی اب معذور ہے ۱۰۲۰
خانۂ ہستی کی ترکیبوں میں کیا دخلِ خرد — حکم ہے تقدیر کا تدبیر اک مزدور ہے
ہیں جسے سمجھا ہوں میں وہ نفس کی ہیں خواہشیں — ہیں حقیقت میں جو ہے مجھ سے نہایت دور ہے
امتحانوں سے ہوئی طے بحث جبر و اختیار — فیل جب ہو جائے مختاری تب مجبور ہے
آپ سے بلکہ میں کیوں نقصان اُٹھاؤں اے جناب — آپ کو جب صرف اپنا فائدہ منظور ہے

ڈاروِن صاحب یہ اچھا مسئلہ سمجھا گئے — دعویٰ مخدومیت میں مست ہر لنگور ہے

تدبیرِ بشر خوب اُلٹ پھیر کرے گی — رفتارِ فنا سب کو مگر زیر کرے گی ١٠٢٤

زندگی سے میرا ابھائی سیر ہے — پھر بھی خوراک اسکی ڈھائی سیر ہے ١٠٢٥

حق پرستی کا نشاں اب قہر ہی یا صبر ہے — اور جو کچھ ہے عقیدوں پر فقط اک جبر ہے ١٠٢٦

اب شیخ ہند برہمنوں سے ملنے لگے — تسبیح بن کے آئے تھے زنار ہو گئے ١٠٢٩
اس منزلِ فنا میں جو رکھی بنا تو کیا — دیوار اُٹھا کے نقش بہ دیوار ہو گئے

نہ چھوڑو دل کو کسی دل شکن اثر کے لیئے — ہے مبتدا یہ خبر دوسری خبر کے لیئے ١٠٢١

جنونِ عشق سے انسان کی طینت سنورتی ہے — یہی مستی وہ ہے جو عقل کو ہشیار کرتی ہے ١٠٣٢
یہ سچ ہے بےخبر ہے نصف دنیا نصف دنیا سے — کہ یہ ماتم میں ہے مصروف اور وہ جشن کرتی ہے
بیاں اپنے اثر میں حس کی قوت لا نہیں سکتا — زباں میں کہہ نہیں سکتیں دلوں پر جو گذرتی ہے
وہ زیدایسی مجھے مایوس ہونے دیں ہیں اے اکبر — کہ امید اب قدم رکھتے ہوئے بھی دل میں ڈرتی ہے
سخن سنجی کا کیا کہنا مگر یہ یاد رکھ اکبر — جو سچی بات ہوتی ہے وہی دل میں اترتی ہے

نہ سہی حسنِ عمل خوبیِ گفتار سہی — ہے تو اکبر میں بھی اک بات گنہگار سہی ١٠٣٤
دل جو تسبیح میں مصروف ہو حاصل ہے مراد — قشقہ بالائے جبیں دوش پہ زنار سہی

خالق ہی سے ملی ہے فطرت کی جو لڑی ہے — بینا وہی ہے جسکی اس پر نظر پڑی ہے ١٠٣٨

ذرہ ہائے خاک کس سبب سے جکڑے گئے — جتنے مریکے تماشے کے لیئے پکڑے گئے ١٠٣٩
بے اطاعت ناتواں کا کام چل سکتا نہیں — جھک گئے تو رہ گئے قائم۔ اگر اکڑے گئے

ہم اس زمانے میں رہتے ہیں اپنے گھر میں پڑے — ہوا ہی بدلی ہوئی ہے فلک سے کون لڑے ١٠٤٠
خدا ہی ہمکو اٹھائیگا جب تو اٹھیں گے — ابھی تو چپ ہیں کوئی لاکھ اعتراض جڑے

اگر اُٹھے تو علم اپنا گاڑ لیں گے کہیں — جو اُٹھ گئے تو ہی قصہ ہی ختم خود ہی گڑے

عرفان صوفیگن ہی شریعت کی آڑ سے — آتش فشاں زمیں دبی ہے پہاڑ سے ۱۰۴۲

خدا کی مار کا کرتا نہیں ہیں کچھ مذکور — طبیعت اور ہی پہلو پہ جا کے لڑتی ہے ۱۰۴۳

نہ رہ سکے گی لطافت جو زن ہی بے پردہ — سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے

عقل کو فردا و دی کے غم میں ساز و سوز ہے — عشق ہی اچھا کہ مستِ جلوۂ امروز ہے ۱۰۴۴

پھیر ہی لی ہے جمالِ لم یزل سے اُسنے آنکھ — ورنہ ہر تدبیرِ نظر انساں کو عشق آموز ہے

زیست میں ہر دم ہے محتاجِ فنا ہر ذی حیات — زندہ دل وہ ہے جسے ہر سانس عجز آموز ہے

بدلی ہوئی رُت محسوس ہوئی بھونرے کی ابھی آواز سنی — فطرت کی بسنتی یہ ٹھمری بیساختہ و بے ساز سنی ۱۰۴۸

دل نہ مایوسی پہ مائل ہے نہ محوِ ناز ہے — منزلِ ہستی میں ہر انجام اِک آغاز ہے ۱۰۴۹

جرح کیا ہم بھی جو چشمِ نرگس پر پس لیئے — یہ بلائیں اس تماشا گاہ میں تھیں کیلیئے ۱۰۵۱

سجدۂ دیر و حرم سے معرفت کسکو نصیب — سنگِ در آیا نظر خلقت نے ماتھے گھس لیئے

ڈیڑھ سو محرابِ مسجد میں ذرا دشوار ہیں — سایۂ ہوٹل میں بسئے یا فقط دس لیجئے ۱۰۵۳

حضرتِ اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے — اک رزولیوشن کا ٹٹو آپ بھی کس لیجئے

اب کیا میں طلبِ دنیا کی کروں کیوں زحمت اٹھاؤں اسکے لیئے ۱۰۵۴
دل کہتا ہے اور سچ کہتا ہے کہ دین کے لیئے اور کس کے لیئے
ہو تم کو مبارک شوقِ نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
کافی ہے یہاں یہ داغِ جگر تم شمع بنو مجلس کے لیئے
یہ گوش و زبان و چشمِ چمن غوغائے جہاں سے فارغ ہیں
کرتا ہوں دعائیں گل کے لیئے سوسن کے لیئے نرگس کے لیئے

۱۰۵۵ روح کا ہے امتحاں ور زندگی کا کورس ہے — ہے مبارک وہ سمجھ قرآن جسکا سورس ہے

۱۰۵۶ کیا وہ درست ہو مری نظموں کے کورس سے — فرصت کہاں ہے قوم کو کالج کے کورس سے

۱۰۵۷ استخوانِ مغربی کا شکر کرنا ہے بجا — باہمی عف عف یہ لیکن قابلِ افسوس ہے
بسکٹ ہی تو رہ گیا تیرا اذر آئینہ دیکھ — شاہدِ مغرب سے کیا فکرِ کنار و بوس ہے

۱۰۵۹ بنگلہ جاناں سوا دو کوس ہے — چل نہیں سکتے بڑا افسوس ہے

۱۰۶۰ فسادِ نیت میں جب نہیں ہے تو پھر مجھے خطرہ کیوں کہیں سے — بہت تکلف ہے یہ اشارہ کہ اس سے بچیے اور اس سے بچیے
برہن ہی جب چپ ہیں پھر خیال اسکا نہ آئے کیونکر — شعور ہو کسطرح معطل کہاں یہ ممکن کہ حس سے بچیے
وہ اک زمانے سے بدگماں ہیں جنہیں نہیں کیا اثر کماں ہیں — سمجھ میں آتا نہیں کچھ اکبر کہ کس سے اب ملیے کس سے بچیے

۱۰۶۱ شامت آتی ہے یہ مسلّم ہے — بحث اتنی ہی رہ گئی کس کی
میری جانب اشارہ غالب ہے — یعنی اکثر یہ کہتے ہیں اسکی
خیر جو کچھ خدا کی مرضی ہو — کھل ہی جائیگا آئی ہے جس کی
اسقدر تو مجھے بھی کھٹکا ہے — بڑھ گئی ہے بہت ہنسی کسکی

۱۰۶۴ اکبر کو کیا ابھاروں مایوس ہی نہیں ہے — ایسا مٹا کہ مٹنا محسوس ہی نہیں ہے

۱۰۶۶ ارتقائے نے کی برکت دیکھیے — تاجرانِ اہلِ قلم ہیں بائبل کے

۱۰۶۷ عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلس رائے سے — جھک کے چلنا چاہیے ہم سب کو ویسرائے سے
شعر کیسا ہی ہو لیکن قافیے اسکے مرغوب — کون ایسا ہے کہ جو ہو مختلف اس رائے سے

۱۰۶۸ پوچھتے کیا ہو کہ قیصر ہے یا ہر بنس ہے — بندہ جو کچھ ہو بہر حالت بلا لیسنس ہے

۱۰۶۹ یاس اس سے ہو گئی امید تھی جس بات کی — جی رہا ہوں شکر ہے لیکن خوشی کس بات کی

۱۰۷۰ سیٹھ جی کو فکر تھی اک ایک کے دس کیجیے — موت آ پہنچی کہ حضرت جان واپس کیجیے

ہاتھ شام اودھ میں ہیں تو اب مصروف ہوں — آپ ہی نظارۂ صبح بنارس کیجئے

افواہ ہے کہ اکبر بیہوش ہوگیا ہے — یہ تو غلط ہے لیکن خاموش ہوگیا ہے ۱۰۷۱

فلسفہ انکا انھیں کی چال کا ہمدوش ہے — انھیں دولت خیز ہے اور ہم میں ہیٔت فروش ہے ۱۰۷۲

بزم ہستی میں محبت کے ترانوں کو نہ چھوڑ — یہ وہ شے ہے جسے ہر سانس اک سازش ہے ۱۰۷۳

خود گوارا نہیں فریاد کا یہ جوش مجھے — کر بھی چُکتی اجل آکر کہیں خاموش مجھے ۱۰۷۵

عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسیٔ جنوں — بزم ہستی میں مبارک نہ ہوا ہوش مجھے

حالتِ قابلِ فریاد کے سب ہیں شاہد — اس سے کیا ہوتا ہے کر دیجئے خاموش مجھے

تابِ نظارۂ گلزار میں کیا لاؤں گا — رُت بدلنا ہی کئے دیتا ہے بیہوش مجھے

بُت پرستی میں بھی پردے کا ہوں حامی اکبر — بخش ہی دیگا خداوند خطا پوش مجھے

سبحۂ صندل کا ہے مگر افسوس — دب گئی بو فدیخ پالش سے ۱۰۷۶

مقابل غیر مذہب کے تو مذہب جوش رکھتا ہے — عموماً ورنہ اپنے آپ کو بے ہوش رکھتا ہے ۱۰۷۸

رہِ حق کے جو سالک ہیں وہ مستثنیٰ ہیں اے اکبر — کہ انکو ساقیِ توحید ساغر نوش رکھتا ہے

دلِ سوزاں کو اک نعمت سمجھ یہ گرمجوشی ہے — امیدِ آخرت میں مست رہ یہ بادہ نوشی ہے ۱۰۷۹

ان بتوں کے باب میں اتنی ہی میری عرض ہے — کفر ہے ان کی پرستش پیار کرنا فرض ہے ۱۰۸۲

اب تو ہے یہ سوچ کیا ہیں کیا بساطِ زندگی — ہو چکا وہ دن کا وہ دورِ نشاطِ زندگی ۱۰۸۵

دیکھیے انجام کیا ہو ڈر رہا ہوں دیکھکر — لذتِ دنیا سے اتنا اختلاطِ زندگی

یہ بھی فانی وہ بھی فانی دونوں ہیں بے اعتبار — انقباضِ موت ہو یا انبساطِ زندگی ۱۰۸۹

یوں تو ہیں جتنے شگوفے سب کو فکرِ باغ ہے — یہ مگر سچ ہے کہ لالہ ہی کے دل میں داغ ہے ۱۰۸۹

خود یوں میں قافیے ہیں ما نا ردیف ہے — یہ نظمِ کائنات بھی کتنی لطیف ہے ۱۰۹۲

۱۰۹۳ سخن میں یوں تو بہت موقع تکلف ہے   خودی خدا سے مجھے کیں بس یہی تصوف ہے
کوئی عظیم نتیجہ ضرور ہے ملحوظ   نظام جسم بشر میں بڑا تکلف ہے
خدا کا شوق نہ ہو آخرت کا ذوق نہ ہو   اسی کا نام ہو دنیا تو اُف کی تحفہ ہے
بسانِ تیغ کبھی سرخرو یہ ہو نہ سکی   عجب نہیں کہ اسی سے تفنگ پر تُف ہے

۱۰۹۴ حسین جیسے ہو تم یونہی جو خوش اخلاق ہو جاتے   زمانہ مدح کرتا شہرۂ آفاق ہو جاتے
حواس و ہوش رخصت ہو چکے دم بھی نکل جاتا   تو فطرت کے جو قرضے ہیں وہ سب بیباق ہو جاتے

۱۰۹۶ بمثل فائدہ ہمیں دل کے سبق سے ہے   خلوت میں انجمن کا مزا یادِ حق سے ہے

۱۰۹۷ خلق مجھ سے طالبِ پابندیٔ اخلاق ہے   میری یہ حالت کی مجھ پر تھینک یو بھی شاق ہے
دل کے ٹکڑے کر دیے غم نے جگر خوں ہو گیا   ہوش کا تو یہ ستم دیکھو کہ اب تک چاق ہے

۱۰۹۸ یار کا حسن سب پہ فائق ہے   واقعی دیکھنے کے لائق ہے
ان مصائب سے کام لے اکبر   غم بڑا مدرکِ حقائق ہے

۱۰۹۹ دوسروں پر نکتہ چینی کا تجھے کیوں شوق ہے   اپنی اپنی خو ہے اکبر اپنا اپنا ذوق ہے

۱۱۰۰ صوفیٔ باصفا کا بھی اچھا مذاق ہے   اس فلسفے میں ہوش کا آنا فراق ہے
فقط سڑکوں سے تسکینِ نگاہِ چشمِ شرقی ہے   اندھیرا ہے گھروں میں اس تو نہیں لیمپ برقی ہے

۱۱۰۲ ہر کس و ناکس سے دنیا میں تملق کیجیے   یا جہاں تک ہو سکے ترکِ تعلق کیجیے

۱۱۰۴ عشق کے معنے کے عالم تھے مگر عاشق نہ تھے   صورتِ عذرا سے واقف تھے مگر وامق نہ تھے

۱۱۰۵ پھنسا ہوں زندگی میں سانس رکتے رک نہیں سکتی   مگر دنیا کی خاطر میری گردن جھک نہیں سکتی

۱۱۰۶ تیری باتیں تو تحقیق کی سالک ہی نہیں   میں نہ مانوں گا کہ میرا کوئی مالک ہی نہیں
لطف جب تھا کہ یہی اور یہی رہتے تھے   ہم جو وارث اب وہ نہیں اور وہ سالک ہی نہیں

له ناسخ کے رنگ عاشقانہ کی بکشتی

شکر ہے سنی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے ۔۔۔ طرزِ طاعت دو سہی ترکیب کالج ایک ہے ١١٠٧
گھر میں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوا یا پلاؤ ۔۔۔ خوانِ مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہے

آنکھ مجبور نہیں بت کو اگر تکتی ہے ۔۔۔ ہو خدا پر جو نظر بند بھی ہو سکتی ہے ١١٠٨
یہ لفظ تو ہیں برائے معنی مگر نہایت ہی سست و ناقص ۔۔۔ زبان پیچھے ہی رہ گئی ہے نگاہ دل دور تک گئی ہے

کافی اگرچہ لیٹنے کو اک پلنگ ہے ۔۔۔ انگڑائیوں کو عرصۂ دنیا بھی تنگ ہے ١١١٢

قومِ ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے ۔۔۔ کالج کے چیونٹے لپٹے ہیں ٹڈی کی ٹانگ سے ١١١٣
عالم میں جب جو مستند و باوقار ہیں ۔۔۔ گونجا ہوا پرس ہے وفاتی کے سانگ سے

یہ دنیا اپنے ساز میں اک دور بھی حق آہنگ نہ تھی ۔۔۔ وہ کون زمانہ گذرا ہے جب حرص نہ تھی جب جنگ نہ تھی ١١١٤
ہاں نفس کی بندے لڑتے ہیں وہ لذت کیلئے دنیا کیلئے ۔۔۔ جو حق کی طرف سے مصلح ہیں ہیں تیغ بکف عقبیٰ کیلئے
(معقول ہم) واعظ کا جو ارشاد ہے وہ زنجبیل ہے ۔۔۔ (موافق ہو ہم) رندوں کی یہ مستی بھی مگر سلسبیل ہے

گو سعی ہوائے شوق نے کی بو اسکی نہ نکلی محفل سے ۔۔۔ مجنوں نے اڑائی خاک بہت لیلیٰ نہ جھانکی محمل سے ١١١٧
دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمالِ باری کو ۔۔۔ پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام ہے رنگِ محفل سے
احساس ہی پیدا کا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا ۔۔۔ جس وقت تہِ خنجر تھا کھلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے
جلوہ گر ہے حسن بت وقت اضطراب دل کا ہے ۔۔۔ المدد اے ذوقِ عرفاں سامنا مشکل کا ہے
تیرے مجنوں کے بیاباں کا ہے عالم دوسرا ۔۔۔ جو بگولا ہے وہ اک ناقہ کسی محمل کا ہے
ذرہ ذرہ ہے طریقِ عشقِ حق میں دلنواز ۔۔۔ ہر قدم پر سالکِ رہ کو گماں منزل کا ہے
بحرِ ہستی خود حدوں سے اپنی ہے نا آشنا ۔۔۔ اک تلاطم ہے بپا کس کو پتا ساحل کا ہے
یہ نظر کی ناتوانی یہ بتوں کی زینتیں ۔۔۔ کیا کہوں اکبر بس اب اللہ مالک دل کا ہے

کیا شان ترے جمال میں ہے ۔۔۔ ہر وقت زمانہ حال میں ہے ١١١٩

پھنستی ہے اگر تو صرف مچھلی — کہنے کو تو جل بھی جال میں ہے
نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اس طرح دال میں ہے

۱۱۲۱ نہیں جب اپنی ملت کا اصول مستقل کوئی — کرے کیا رکھ کے سینے میں فنا اندیش دل کوئی

۱۱۲۲ ہم پہ الزام کے دھبے جو ہیں دھل جائیں گے — حسبنا اللہ کے معنے کبھی کھل جائیں گے

۱۱۲۳ کیا تصور ہے کہ دل جس سے دہل جاتا ہے — دم نکلتے ہی وہ قانون بدل جاتا ہے
وہی فطرت کہ جو تھی حفظ بدن پر مامور — اسی فطرت سے بدن خاک میں گل جاتا ہے

۱۱۲۴ قیوم و حی کا ہے تصور معین روح — فانی کا شوق فتنۂ ہستی کا جال ہے

۱۱۲۵ مضموں ملا جو موج میں نقش بر آب کا — بیخود ہوئے حباب بھی ٹوپی اچھال کے
اے شمع با فروغ ہے راہ فنا میں تو — سالک بہت ہی کم ہیں تمہی چال ڈھال کے

۱۱۲۶ بزم ہستی ہے طلسم بے مثال زندگی — خاک ہے پروانہ شمع جمال زندگی
جسم بنکر جان سے لپٹی ہوئی آخر فنا — خاک تھی پروانۂ شمع جمال زندگی
ہے یہی دستور لیکن کسقدر افسوسناک — زندگی ہی کو سمجھ لینا مآل زندگی
عشق حسن آخرت میں چاہیے ہستی روح — موت سے آساں نہیں اکبر وصال زندگی
ہے دلیل نور باطن حب دنیا کا زوال — موت کا مشتاق ہونا ہے کمال زندگی
خوبی معنی کا ہے فطرت میں اکبر اعتبار — حسن صورت میں نہیں جاہ و جلال زندگی

۱۱۲۷ الحذر اس درد سے جو مشتعل ہو کر رہے — الاماں اس یاد سے جو زخم دل ہو کر رہے
بزم ہستی میں رہا اکبر تو کیا اس کی خوشی — حکم جب یہ ہے کہ بے حد مضمحل ہو کر رہے

۱۱۲۸ بجائے مرحبا و آفریں فریاد اٹھی دل سے — مجھے شرمندگی ہے قوت بازوئے قاتل سے
سکوت اولی ہے کیا حاصل بیان حالت دل سے — تعجب خیز باتیں ہیں یقیں آئیگا مشکل سے

جنونِ پردہ در ہی شائق رسوائیِ مجنوں — عجب کیا ہی کہ اب لیلی کو بھی حسرت ہو محمل سے
ضرورت کم ہی راہِ عشق میں خضرِ ہدایت کی — بہ قدرِ شوق سالک خود کشش ہوتی ہی منزل سے
بصیرت نے قیامت کی ہی اس بیدردیائی پر — مصیبت میں پھنسا ہوں تیارِ خود باطل سے
جھکا سکتا ہوں میں گو زباں کو روک سکتا ہوں — جواب سکا مگر کیا ہی کہ تو کافر نہیں دل سے
جنوں ہنگامۂ بے مدعا میں مست ہستا ہی — مبارک سعی ہی اسکی کہ مستغنی ہی حاصل سے
بیانِ مدعا سے روک لیتا ہوں زباں اپنی — تمنا سے ہی مجبوری کہ وہ گستاخ ہی دل سے

تدبیرِ بشر پیش قضا چل نہیں سکتی — میں دیکھ چکا ہوں شدنی ٹل نہیں سکتی ۱۱۲۹
ارمان کوئی اب مرے دل میں نہیں آتا — ٹوٹی ہوئی جو شاخ ہی وہ پھل نہیں سکتی
مرجائیں مگر رکھیں گے ثابت قدم اپنا — ہم مرد ہیں جو دال کبھی گل نہیں سکتی

لاکھ آرایش کرے کوئی مگر اے جانِ جاں — جسکی زینت آپ ہیں رونق اسی محفل کی ہی ۱۱۳۰

کھیل جینے کا کھیل ہی لیں گے — جو گذرتی ہی جھیل ہی لیں گے ۱۱۳۱

معاذاللہ کیا بیدادیِ تقدیر بسمل ہی — تڑپنا سامنے قاتل کے گستاخی میں داخل ہی ۱۱۳۲
وہی قانونِ فطرت ہی جسے تقدیر کہتے ہیں — جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہی

نفس میں الجھا ہی تو اکبر ابھی دل دور ہے — راہ کے یہ خوشنما منظر ہیں منزل دور ہے ۱۱۳۴

جہاں میں عقل کی حسرت نکل نہیں سکتی — خدائی ذہن کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتی ۱۱۳۵

جینے میں یہ غفلت فطرت نے کیوں طبعِ بشر میں داخل کی
مرنے کی مصیبت جانوں پر کیوں قدرتِ حق نے نازل کی
کیوں طولِ امل میں الجھایا انسان نے اپنے دامن کو
کیوں زلفِ ہوس کے پھندے میں پھنستی ہی طبیعت غافل کی

۲ کیوں ہجر کے صدمے ہوتے ہیں کیوں ٹھر دوں پہ ندے پڑتے ہیں
کیوں جنگ میں جانیں جاتی ہیں کیوں بڑھتی ہے ہمت قاتل کی
منطق کا تو دعویٰ ایک طرف طاقت کی یہ شوخی ایک طرف
کیا فرق ہے خیر و شر میں یہاں کیا جانچ ہے حق و باطل کی

۱۱۳۷ کہاں ثبات کا اس کو خیال ہوتا ہے   زمانہ ماضی ہی ہونے کو حال ہوتا ہی
فروغ بدر نہ باقی رہا نہ حسن کا شباب   زوال ہی کے لیئے ہر کمال ہوتا ہی
میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے   مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہی
بہت پسند ہی مجھکو خموشی و عزلت   دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہی
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں   وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہی
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار   اگر ملو تو نتیجہ   ملال ہوتا ہی
پسندِ چشم کا ہرگز کچھ اعتبار نہیں   بس اک کرشمۂ وہم خیال ہوتا ہی
اگرچہ آہ سے تکلیف دل کو ہو لیکن   ہوائے نفس میں کچھ اعتدال ہوتا ہی
نگاہِ لطفِ بتاں مطمئن نہیں کرتی   فریب ہی کا مجھے احتمال ہوتا ہی
خدا کا شوق ہو جسکو میں اسکا شائق ہوں   خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال ہوتا ہی
اگرچہ ریش منڈانے سے ہی صفائی رُخ   گناہ گار مگر بال بال ہوتا ہی

۱۱۳۸ خودی کی اظہار میں دوئی ہی دوئی کو وحدت سے کیا تعلق   فراق بنا کرے گوارا جو کوئی اسکا وصال چاہے

۱۱۳۹ ابتدا گرمی کی ہی اپریل سے   اب میں گھبرانے لگا کھپریل سے
حضور سے سبب افسردگی کا کیا میں کہوں   نشاطِ طبع غلامی کے ساتھ مشکل ہے

۱۱۴۲ کتمانِ رازِ عشق میرے آب و گل میں ہی   خاموش ہی زبان جو کچھ ہے وہ دل میں ہی

افعیِ زلفِ مِس کا تو سودا ہے انہیں	پیچیدگی جو کچھ ہے فقط اسکے بل میں ہے

صبر رہ جاتا ہے اور عشق کی چل جاتی ہے	ضبط کرتا ہوں مگر آہ نکل جاتی ہے ۱۱۴۳
کچھ نتیجہ نہ سہی عشق کی امیدوں کا	دل تو بڑھتا ہے طبیعت تو بہل جاتی ہے
شمع کے بزم میں جلنے کا جو کچھ ہو انجام	مگر اس عزم سے سانچے میں تو ڈھل جاتی ہے
وعدۂ بوسۂ ابرو کا نہ کر غیر سے ذکر	دل لگی میں کبھی تلوار بھی چل جاتی ہے

طبیعت تیری انجن کے آگے کیوں بدلتی ہے	یہ تیری سانس چلتی ہے تو کیا انجن سے چلتی ہے ۱۱۴۴
کبھی سائنس کے ان دیوتاؤں سے ذرا پوچھو	یہ مشتِ خاک کیونکر جانچے سانچے میں ڈھلتی ہے
وہی بیخ شجر تحریکِ موسم بھی وہی لیکن	کوئی ڈالی تو رہ جاتی ہے کوئی شاخ پھلتی ہے
نہ اس میں دخل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو	دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے

اکبر شگفتگی سے بیگانہ ہو گیا ہے	پھر کیا اسے چمن کی کوئی ہوا کھلائے ۱۱۴۴ الف

دیں کا ادّعا ہے خلق میں سہل	حق ہو راضی یہ بات مشکل ہے
آمنو میں تو سب کے آگئے ہیں	عملوا الصّالحات مشکل ہے
چشمِ ظاہر جسے نہ دیکھ سکے	اس طرف التفات مشکل ہے
وصل ہو یا فراق ہو اکبر	جاگنا ساری رات مشکل ہے

اسٹیشن فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے	اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے ۱۱۴۷
غفلت نے کر دیا جنھیں آزاد وہ ہنسیں	میری نگاہ میں تو یہ دنیا ہی جیل ہے

عیش دنیا میں بہت ہے کہ مصیبت ہے بہت	اس سے پوچھو جو کوئی پیر کہن سال ملے ۱۱۴۸

امیدِ راحت اس دنیا میں تصویرِ خیالی ہے	کہاں ہے جامِ عیش ایسا کہ جو تلخی سے خالی ہے ۱۱۴۹

کارِ دنیا میں بھی یادِ مرگ غالب دل پہ ہے	راہ ہے زیرِ قدم لیکن نظر منزل پہ ہے ۱۱۵۱

۱۱۵۲ غنچہ کھل جائے تو پھر زینتِ محفل نہ سہی — خود شگفتہ رہے گلدستہ میں داخل نہ سہی
زاہدِ خشک کی صحبت سے میں گھبراتا ہوں — سوزِ دل جب نہیں پھر کچھ نہیں جاہل نہ سہی
چشمِ کم سے یہ بُت اکبر کو جو دیکھیں دیکھیں — ہے وہ مقبولِ حرم دَیر کے قابل نہ سہی

۱۱۵۳ دل وہ ہے جو باغِ ایماں کی ہوا سے پھول جائے — آخرت کی یاد میں دنیا کو بالکل بھول جائے
یہ ارادے ہیں تو ذکرِ مکتب و مسجد فضول — کہدو لڑکے سے خریدے ریڈر اور اسکول جائے
پالسی کے باغ میں جھوا میدیں نکلے بہت — جسکا جی چاہے وہ برسوں بے تکلف جھول جائے

۱۱۵۰ ذہنِ عالی اور ہے جمعیتِ دل اور ہے — علمِ منزل اور ہے اور قربِ منزل اور ہے

۱۱۵۶ مصرعہ بہت بلیغ یہ انکی غزل میں ہے — شیخی تو مسئلو نہیں ہے جنت عمل میں ہے

۱۱۵۸ بلا زینت بھی رنگینِ دلکو راحت مل ہی جاتی ہے — کلی بیرونِ گلشن ہو تو وہ بھی کھل ہی جاتی ہے
بھروسا انتظامِ عافیت کا کیا ہے دنیا میں — کہ ہر بنیادِ آخر اک نہ اک دن ہل ہی جاتی ہے

۱۱۵۹ تازگی رنگِ گلِ پژمردہ میں ممکن نہیں — کیا چلے بادِ صبا کی لطفِ شبنم کیا کرے
بیتشویت پر کیا میں نے جو اظہارِ ملال — سُن کے صاحب نے کہا سچ ہے مگر ہم کیا کرے
انکشافِ رازِ ہستی عقل کی حد میں نہیں — فلسفی بیاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے
کبر ظاہر حرص غالب ذکرِ حق دیوانگی — اِس جگہ کوئی سرِ تسلیم کو خم کیا کرے
چاہتا ہوں صرف اک بوسا دہانِ تنگ کا — خواہشیں اس سے زیادہ اب کوئی کم کیا کرے

۱۱۶۰ خیر کیا ہے عشقِ گیسو میں دلِ ناکام کی — دیکھتے ہو ہند میں حالت جو ہے اسلام کی
دیکھکر تیری اداسی ہائے اے شمعِ سحر — محو دل سے ہوگئی رونق چراغِ شام کی
واقعاتِ دہر سے دل بستگی کم کیجئے — پھر شکایت کم رہے گی گردشِ ایام کی

۱۱۶۴ حضرتِ اکبر مرے کس کام کے — ہیں تو مسلمان مگر نام کے

لے گئی ایمان تیری چشم مست — اہلِ نظر رہ گئے دل تھام کے

خالق سے دل لگانا اسلام ہی تو یہ ہے — ہر کام میں توکّل بس کام ہے تو یہ ہی
کرتا ہوں اللہ اللہ اور دل میں یوں سمجھتا — کام آئے مرتے دم بھی وہ نام ہے تو یہ ہی ۱۱۶۶
تکلیف صبر سہئے آرام ہے تو یہ ہے — ناکردنی سے بچئے بس کام ہے تو یہ ہی

اسقدر گستاخ دل سے شدّتِ غم ہوگئی — آپ اپنے ساتھ ہمدردی مری کم ہوگئی ۱۱۶۷
وہ طبیعت وہ امیدیں وہ مشاغل وہ نشاط — اب کہاں وہ بات تھی اک بزم برہم ہوگئی
دل تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ کچھ سمجھا نہیں — اب زباں بھی قائلِ واللہ اعلم ہوگئی
شاہدِ بزمِ ازل کے فیض کا کیا پوچھنا — خاک نے اتنی ترقی کی کہ آدم ہوگئی
ہو مسلمانوں کو شاید اب بھی عقبیٰ کا خیال — آخرت پر لیکن اب دُنیا مقدّم ہوگئی

خدا کہاں ہی جو اب سکا ہر مقام میں ہی — نہ سمجھے کوئی تو کہہ دو کہ اپنے نام میں ہی ۱۱۶۸
بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا — عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہی

آنکھ محروم سہی لب پہ ترا نام تو ہے — تیری ہستی کا یقیں قاطعِ اوہام تو ہی ۱۱۶۹
کھیتی تھی سبز پری ہو کے سبھا سے خارج — راجہ اندر نہ سہی جلوۂ گلفام تو ہی
برہمن دل میں اگر رام سے کہتا ہی کہ آ — بات یہ خوب ہے اک صورتِ آرام تو ہی

ہمیں تو خاموشی میں اپنے دل سے کام لینا ہی — زباں وہ بزم میں کھولیں جنھیں انعام لینا ہی ۱۱۷۰
نہایت خوشنما کھولی ہیں راہیں آپ نے لیکن — وہ رکھیں پاؤں جنکو اپنے سر الزام لینا ہی

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہمکو دیکھینگی — خبر کیا تھی ہماری مجلسِ ماتم کو دیکھیں گی ۱۱۷۱

عالمِ معنی میں ہیں اتنا ہی ہم میں زور ہی — ہاتھ میں رعشہ ہی اب لیکن قلم میں زور ہی ۱۱۷۲

سچی خوشی جہان میں ہو بھی اگر تو کم ہے — بس غفلتیں ہیں طاری اور نہیں تو غم ہی ۱۱۷۳

۱۱۷۵ میرا مسلک کچھ جدا ہی شیخ کے اسلام سے — یاں خدا سے کام ہے اسکو خدا کے نام سے
یاں نگاہِ خاص سے ہوتا ہے دل کو انبساط — اسکو راحت ملتی ہے فطرت کے فیضِ عام سے
عشوۂ ساقی کا یاں طالب ہوں میں بہرِ سرور — اخذ کر لیتا ہے وہ مستی کو دورِ جام سے
ہے کفیلِ کار میرا یاں جنونِ صلح خیز — واسطہ رہتا ہے اسکو عقلِ جنگ انجام سے
مست رکھتے ہیں اُسے جھونکے ہوائے باغ کے — کام ایلی سے نہ اکبر کو نہ مطلب اُم سے

۱۱۷۶ اگرچہ تکلیفِ نزع میں ہوں سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے — کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

۱۱۷۷ چشم و دل میں عکسِ دنیا کا ہجومِ عام ہے — مشتبہ ہنگامۂ ادراک کا انجام ہے
چشمِ ابراہیم و دورِ انجم و شمس و قمر — اسکو کہتے ہیں نظر اور عقل کا یہ کام ہے

۱۱۷۸ اپنے ساتھی سب اُٹھ گئے اس بزمِ غم انجام سے — دل کو شرم آنے لگی اب خواہشِ آرام سے

۱۱۷۹ کہاں دلوں سے شریعت کا کام چلتا ہے — فقط زباں سے بزرگوں کا نام چلتا ہے
ہوئی طریقِ بزرگاں کی پیروی مفقود — بس اُنکے نام پہ لیکچر صبح و شام چلتا ہے

۱۱۸۰ فلسفہ غم کا جسے معلوم ہے — ہو مبارک وہ اگر مغموم ہے
کر دیا اسکو بصیرت نے خموش — اب تو اکبر کی نظر کی دھوم ہے

۱۱۸۲ مُسلّم پر عمل کرنے سے غافل نفسِ آثم ہے — جدھر دیکھو وہی بحثیں ہیں جنمیں لا نسلّم ہے

۱۱۸۳ گھلایا شیخ کو اُس شوخ کے شیریں تکلّم نے — مٹایا زہد کی خشکی کو اک موجِ تبسّم نے

۱۱۸۴ تصوّف ہی نے باقی دل میں حق کا نام لایا ہے — یہی مسلک ہے جسمیں فلسفہ اسلام لایا ہے

۱۱۸۵ حضرتِ اکبر کا ان روزوں بڑا ہی نام ہے — پولو پولی پر حدی خوانی انھیں کا کام ہے

۱۱۸۶ نہ مدحِ بُت سے نہ آرائشِ کلام سے ہے — مری زباں کی عزت خدا کے نام سے ہے
یہ عذر تو ملاقاتیوں سے آپ کریں — مجھے تو کام فقط آپ کے سلام سے ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے — فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے ۱۱۸۷
باغباں ہی کے یہ طالب ہیں ہوئے غافل — پختگی کی نہیں امید کچھ ان خاموں سے ۱۱۸۸

الم ضعیف ہو لذت اگر عدم ہو جائے — خوشی کو منہ نہ لگاؤ تو غم بھی کم ہو جائے ۱۱۸۹

کیوں یہ کدھے ہو ہر اک میں وہ اثر جو ہم میں ہے — تمکو کیا معلوم اکبر کون کس عالم میں ہے ۱۱۹۰

ہمیں جھلکیں ہمیں ابھریں عبث درپے ہو اس غم کے — کرو حمد خدا مجھو خدا احمد کا تو ہم چمکے ۱۱۹۲
میں مست بادۂ عبرت ہوا ہوں اس تصور سے — کہ دو ذرے بھی اب اک جا نہیں ہیں ساغر جم کے

ساری دنیا آپ کی حامی سہی — ہر قدم پر مجھکو ناکامی سہی
نیک نام اسلام میں رکھے خدا — کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

چھوٹے ہی دنیا میں رہتے ہیں زیادہ کم بڑے — سب مگر لڑتے ہیں بس پر تم بڑے یا ہم بڑے ۱۱۹۴

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی — لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی ۱۱۹۵
زور آزمائیاں ہوئیں سائنس کی بھی خوب — طاقت بڑھی کسی کی کسی میں نہیں رہی
دنیا کبھی نہ صلح پہ مائل ہوئی مگر — باہم ہمیشہ برسر پیکار و کیں رہی
پایا اگر فروغ تو صرف ان نفوس نے — جنکی کہ خضر راہ فقط شمع دیں رہی
اللہ ہی کی یاد بہر حال خلق میں — وجہ سکون خاطر اندوہگیں رہی

جسنے دل کو لے لیا ہو دل لگی کے واسطے — کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے ۱۱۹۸

وہی الم وہی سوز جگر فغاں بھی وہی — وہی زمیں کا چلن دور آسماں بھی وہی ۱۲۰۰
بھرا ہوا ہے مضامین غم سے مکتب دہر — فلک کا کورس وہی میرا امتحاں بھی وہی
ہیں صاف گو وہ ستمگر خدا ہی خیر کرے — مری زباں بھی وہی اور وہ بدگماں بھی وہی
نہ اسنے میری صفائی نہ اسنے میرا بگاڑ — کدورتیں بھی وہی اور خنین چناں بھی وہی

حرم نظر میں ہی قسمت ہی دیر سے اٹکی | خدا کا گھر بھی وہی بت کی شوخیاں بھی وہی
مذاق بزم احبا جو کچھ ہوئے اکبر | مری زباں بھی وہی اور مرا بیاں بھی وہی

۱۲۰۴ ہی منع ملاقات مری ہم نفسوں سے | فریاد کا موقع نہیں فریاد رسوں سے
تعداد وہی انگلیوں کی گو بدستور | بیگانگی ساعد و بازو ہی دسوں سے
ہی حکم کہ حس پالیسیوں کے ہو مطابق | اب کام بدن کو نہ رگوں سے نہ نسوں سے
چوری نہ کبھی کی ہی نہ کرنے کا ارادہ | پھر بھی یہ ضرورت ہی کہ بھاگوں عسسوں سے

۱۲۰۶ خموش شمع صفت کیوں نہو زباں میری | کہ خود ہی بزم میں روشن ہی داستاں میری
اگرچہ عقل سے کرتا ہوں میں حفاظت جاں | مگر نہ عقل مرے بس کی ہے نہ جان مری

۱۲۰۷ اگرچہ قدرت ہی بولنے کی مگر فسردہ دل حزیں ہے | عجیب حالت ہوئی ہی پیدا زبان باقی ہی منہ نہیں ہے
جہان فانی کی اتنی وقعت تمہارے ہی فلسفے میں ہوگی | مرا عقیدہ تو یہ نہیں ہی کہ جو خدائی میں ہی یہیں ہے
نہیں ہے قومی چمن میں قائم جہاں شگفتہ ضرور ہوں میں | دل اُن کا گملے کا پھول ہی اب کبھی کہیں ہے کبھی کہیں ہے
بہت نہ رونے سے یہ نہ سمجھو کہ کم ہی جوش سرشک دل میں | یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہی رعایت فخر آستیں ہے

۱۲۰۸ مبارک انکو جو حالات طبقات زمیں سمجھے | پہنچ وہ بھی گئے زیر زمیں جو کچھ نہیں سمجھے

۱۲۰۹ بزم طرب میں بھی جو حزیں تھی حزیں رہے | دل اُس کا اسکے ساتھ ہے کوئی کہیں رہے
رکھیں نہ ہم سے دوست امید نشاط طبع | گو انجمن وہی ہے ہم اب وہ نہیں رہے
پیدا زیادہ سب سے دلیلیں ہمیں نے کیں | اور شبہے میں بھی سب سے زیادہ ہمیں رہے
کہتے تمام عمر چناں اور چنیں رہے | آخر ہمیں کی نظر تو جہاں تھے وہیں رہے

۱۲۱۰ یہ سانس نہیں ہے سینے میں اک پھانس بشر کی جان میں ہی
درد اُس کا مگر محسوس نہیں غفلت کا عمل انساں میں ہے

دنیا کی امید اور اس کے مزے دنیا کی چمک دنیا کی صدا
کب ہمکو سمجھنے دیتی ہے کس درجہ کمی ایمان میں ہے

جو ہجر کے معنی سمجھے ہیں ہے موت وصال اُنکے حق میں
لیکن یہ سمجھ ہر اک کی نہیں یہ بات فقط عرفاں میں ہے

۱۲۱۱ فروغِ دل اب نہیں ہے باقی وہ سوز و ساز اسمیں اب کہاں ہو
یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر بجھی ہوئی شمع کا دھواں ہے

دلِ شکستہ میں ایمان رہ سکے تو ہے — اُجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو ہے
دلِ ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب — اگر زبان مسلمان رہ سکے تو ہے

۱۲۱۴ ہمہ تن درد کا مضمون ہوا جاتا ہے — حالت ایسی ہو کہ دل خون ہوا جاتا ہے
اتفاق امر مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر — اب وہ میرے لیئے قانون ہوا جاتا ہے

۱۲۱۶ رگِ جاں پر ہی جب مضرابِ ہجراں ہی نہ ہوگی — جہاں یہ سوز ہو اس ساز سے تسکین کیا ہوگی
کہاں ورکسطرف قائم کرینگے یادگار انکی — دمِ آخر یہ ذکر اُنسے کرو یاسین کیا ہوگی
بتانِ دیر میں پرسش مری ہو یا نہو اکبر — جو ہو اعزاز کیا ہوگا۔ نہ ہو توہین کیا ہوگی

۱۲۱۸ رندی میں ذرا خوف بتوں کا نہ کریں گے — ڈرنا کبھی ہوگا تو خدا ہی سے ڈرینگے
اس حسن کے عاشق کو فنا ہو نہیں سکتی — جو آپ پہ مرتے ہیں وہ ہرگز نہ مریں گے

۱۲۱۹ جائے تیری ہی محبت میں مجھے وہ جان دے — عیش و کلفت میں رہے محفوظ ایمان دے
منتشر رہتا ہے مکروہات دنیا سے بہت — اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے

۱۲۲۰ خوب ہے مرگ و فنا سے جو مٹے میری خودی — اور مٹے وہ اصلی حق پہ تو عرفان کے
گل کو کیوں اسکا الم ہوگا کہ وہ گل نہ رہا — ارتقا اسکو اگر عارضِ جاناں کردے

1221 آپ کے لطف سے اللہ بچائے دل کو — ہم تو سمجھے ہیں بلا آپ کے احسان کو بھی

1222 اللہ تو بے شبہ وہیں ہے کہ جہاں تھا — مسلم سے تو پوچھو نہ یہیں تھا کہ جہاں ہے

1224 بحث کی خود اور ہی اور عشق یزداں اور ہے — رنگ مذہب اور ہی اور نور ایمان اور ہے

1225 مہ و خور سے سوا اُنکا رخ گلفام روشن ہے — یہی جلوے وہ ہیں جنسے خدا کا نام روشن ہے

مرے دل پر ہی شمع صبح کی افسردگی چھائی — ترا رخ زلف میں مثل چراغ شام روشن ہے

1226 جو میری ہستی تھی مٹ چکی ہے نہ عقل میری نہ جان میری — ارادہ اُنکا دماغ میرا خیال اُنکا زبان میری

1228 چھیڑنا اچھا ہے ساز سعی کا اس بزم میں — آدمی کو زندگی میں اک دھن چاہیے

ہو دسمبر میں مبارک یہ اچھل کود آپ کو — خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھکو بھاگن چاہیے

ہے تحت فلک میں جو زمیں ہے — دنیا اچھی جگہ نہیں ہے

شک اسمیں نہیں کہ ہے وہی وہ — ہم میں لیکن ہمیں نہیں ہے

1230 کان میں بات بزرگوں کی سماتی ہی نہیں — ناک میں دم ہے جوانی کے خریداروں سے

1233 گو ہو گئے شکم کے مطالب کے ترجمان — افسوس ہے کہ دل کے زباں داں نہیں رہے

1235 سامنا ہر دم قیامت کا مجھے جینے میں ہے — کچھ نہ پوچھو کسقدر بیچین دل سینے میں ہے

کیا ثبات عمر بس اک جنبش فطرت کی دیر — زندگی کیا ہے فقط اک عکس آئینے میں ہے

1236 اجل آ پہنچی قبل اسکے کہ سمجھیں راز ہستی کا — بگاڑا موت نے اور نہیں سمجھے بنے کیوں تھے

1237 پریس میں شیخ ہیں مسجد اجاڑ رہا ایوان خالی ہے — کتب خانہ بھرا جاتا ہے اور میدان خالی ہے

جو کچھ چاہیں سنائیں اور بتائیں وہ مرے دل میں — کہ ان روزوں ہے میری آنکھ بند اور کان خالی ہے

1239 زبان نطق کا جلوہ فقط حد بیان تک ہے — تسلسل موج معنی کا خدا جانے کہاں تک ہے

خدا کی راہ میں یہ شرط کرتے تھے سفر پہلے — مگر اب پوچھتے ہیں ریلوے اسمیں کہاں تک ہے

تمہارے مذہبی دعوے جو کچھ ہوں میں یہ دیکھونگا ‏ عقیدہ نکا اثر فکرِ معیشت پر کہاں تک ہے
میں اپنے دل کی قیمت عرض کرہی دونگا بالآخر ‏ مگر ارشاد تو ہو آپ کی نیت کہاں تک ہے
خدا ہی کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقیں پیدا ‏ دلیلوں کی رسائی تو فقط وہم و گماں تک ہے
کہو ملت کے لیڈر سے وہ مذہب سے نہو غافل ‏ کہ قومی زندگی کچھ ہے تو بس نیم جاں تک ہے
ترقی خواہ دل کو آہ سوزاں چاہیئے اکبر ‏ یہی شعلہ وہ ہے جسکی بلندی آسماں تک ہے
جنوں کا ادعا حدِ تکلف میں نہ کر اکبر ‏ گریباں چاک ہے تیرا مگر دیکھوں کہاں تک ہے

۱۲۴۰ معنی کی گرہ کہاں کھلی ہے ‏ الفاظ ہی کی دکاں کھلی ہے
ہر واہ کی تہ میں ہے نہاں آہ ‏ دم بند ہے اور زباں کھلی ہے

۱۲۴۱ نظر بہ نقوشِ ظاہر ہے ہوشِ دنیا کا پاسباں ہے ‏ جو یہ نگاہیں ہیں ایسا دل ہے تو آخرت کا پتا کہاں ہے

۱۲۴۳ اس بزم میں کیا آثار ملے ہنگامِ سحر سامانوں کے ‏ اک داغ تھا شمعِ مردہ کا کچھ پر تھے پڑے پروانوں کے
ہستی کی یہ ہے بس دامِ نظر دم بھر میں نشاں اُنکا نہ اثر ‏ گرداب فنا میں غرق ہیں سب دریا میں رواں افسانوں کے
دل لذتِ نفس کا گرویدہ دنیا کی حقیقت پوشیدہ ‏ اُمڈے ہیں فریبِ امید کے تکلے طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے
ہر گام پہ ہیں قبروں کے نشاں ہر سمت ہے اک عبرت کا سماں ‏ اُجڑا ہے محل آبادی کا آباد ہیں گھر ویرانوں کے
دولت میں جو غرقِ عصیاں ہو بہتر ہے کہ مانعِ نسیاں ہو ‏ غالب نہوں شیطانوں پہ تو تابع تو نہوں شیطانوں کے
یہ مدعی اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے ‏ تقوی کی وہ بو ہی نہیں ہے نہ رنگ نہیں ایمانوں کے
تھی عقل نہ بات اے اکبر اور عشق پہ رکھی ہمنے نظر ‏ ممتاز رہے ہشیاروں میں سرخیل رہے دیوانوں کے

۱۲۴۴ یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہیں جواں بھی ‏ شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

۱۲۴۵ ہمارا دل ہی عمارت ہے ولولوں کے لیے ‏ زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں زلزلوں کے لئے
ہنسنا بھی یہاں ہے رونا بھی دلکش بھی ہے دنیا فانی بھی

جینا بھی ہے اور آبادی بھی مرنا بھی ہے اور ویرانی بھی
اللہ ہی ہے ان لڑکیوں کا فقر بھی نہیں حدیں بھی رہیں
ہے کورس بھی ان کا اسکیمی اور پاشندہ آستانی بھی

جو انقلاب گذشتہ ہے اک کہانی ہے — جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ فانی ہے ۱۲۴۷
الجھ کے دام حوادث میں آخرت کو نہ بھول — جو خوش نصیب ہے اُسنے یہ بات مانی ہے

ہادی کبھی پیرو نہ ہوئے ہاں اُنکے پیچھے لٹھ تان سکے — مذہب نے ہمیں پہچان لیا ہم اُسکو نہیں پہچان سکے ۱۲۴۸

کرے گا قدر جو دنیا میں اپنے آنے کی — اُسی کی جاں کو لذت ملے گی جانے کی ۱۲۵۱
نہ پوچھو بیٹھا ہوں کیوں ہاتھ پر میں ہاتھ دھرے — اُٹھوں گا نبض ذرا دیکھ لوں زمانے کی
مزا بھی آتا ہے دنیا سے دل لگانے میں — سزا بھی ملتی ہے دنیا سے دل لگانے کی
گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں — اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی
یہ شرط ہے کہ کرو اتباع حکم رقیب — غضب یہ ہے کہ ضرورت ہے دل لگانے کی
خیال وسعت تحقیق تابکجا کیسے — کہ ہر نگاہ ہے محتاج اک فسانے کی

تم ایک رہ نہ سکے تو خوشی سے پوں بنے — یہاں تو کچھ نہ بنے بیوقوف کون بنے ۱۲۵۲

ایسا جو ہے تو شاید یہ دل ہے ٹھکانے — دنیا کو میں نہ جانوں دنیا مجھے نہ جانے ۱۲۵۳

دیکھ ہی لیں گے نتیجہ کفر کا یہ خام طبع — تیری ولی اک دن ایمان ہو ہی جائیگی ۱۲۵۴

کھاتے نہیں اگر جینا ہو تو مرتے نہ کبھی کھانے والے — کھانا بھی خدا کے حکم سے ہے جینا بھی خدا کے حکم سے ہے ۱۲۵۸
ایمان سے الفت رکھتا ہوں شیطان کو دشمن جانتا ہوں — الفت بھی خدا کے حکم سے ہے کینا بھی خدا کے حکم سے ہے
رہتا ہوں میں مست عہد ازل ہے شیشۂ دل ہے زیر بغل — مستی بھی خدا کے حکم سے ہے مینا بھی خدا کے حکم سے ہے

ہر چند با اثر ہے تدبیر باغباں بھی — لیکن بہار بھی ہے اک چیز اور خزاں بھی ۱۲۵۹

دورانِ سر کی اپنے میں کیا کروں شکایت — گردش میں ہے زمیں بھی چکر میں آسماں بھی

تمناؤں کی حالت کچھ نہ پوچھو دل کے بجھنے پر — اندھیرے میں نہیں معلوم پروانوں پہ کیا گذری ۱۲۶۰
صدی ہے چودھویں وہ انقلابوں کی نہیں کچھ حد — خدا ہی کو ہے علم اسکا مسلمانوں پہ کیا گذری

تجھے کو بھلا کے آپ فقط ہیں کو دیکھیے — ہم کا زمانہ اب نہ رہا ہیں کو دیکھیے ۱۲۶۱

عیش فردا کی امیدیں دایہ ہیں — طفل طبعوں کو کھلانے کے لیئے ۱۲۶۲

جان اُڑی جاتی ہے حسن معجود ہے دل خون ہے — نزع طاری ہوش حاضر یہ عجب مضمون ہے ۱۲۶۴

عبادت ترک ہے اور ہر طرف نعرے ہیں قومو کے — تماشے مشرقی تپلو میں ہیں مغرب کے جادو کے ۱۲۶۸

چل بسے اسباب غفلت چشم عبرت وہ چکی — میری ہستی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی ۱۲۶۹
خواب آور ہو نہیں سکتا بیانِ عاشقاں — ہے اگر افسانہ گو مجنوں تو لیلےٰ سو چکی
خواں لوانِ فلک سے کم کر اکبر اُمید — صبر کر زماں جویں پر تیری باری ہو چکی

شگفتہ کسقدر رنگیلا ہے کتنی مست جو ہی ہے — ترا ہی رنگ ہے گلشن میں خوشبو و نمین تو ہی ہے ۱۲۷۰
خدا کے شوق کا جنپر اثر ہو دیدنی وہ ہیں — خدا کے نام کی ہم ہیں تو خالی گفتگو ہی ہے
دل اپنا دوست ہو کر جب کہ کھاتا ہی غلط راہیں — تو اُنکی آنکھ کو میں کیا کہوں وہ تو عدو ہی ہے

اکبر تم اگر شرکِ خفی پر بھی ہنسو گے — سب تم سے الگ ہونگے مصیبت میں پھنسو گے ۱۲۷۱

حواسِ غرقِ حیرت کو مجالِ گفتگو کیا ہے — میں کب کہتا ہوں میں ہوں ہی کہتا ہے تو کیا ہے ۱۲۷۲

کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے — کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے
کوئی تاک میں ہے کسی کو ہے غفلت — کوئی جاگتا ہے کوئی سو رہا ہے
کہیں نا امیدی نے بجلی گرائی — کوئی بیج امید کے بو رہا ہے
اسی سوچ میں میں تو رہتا ہوں اکبر — یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے

۱۲۷۴ دل ترے پاس مرے عقل پہ قابو نہ سہی — شہرتِ قیس تو حاصل ہے ارسطو نہ سہی

۱۲۷۵ اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جائیے — جو کہہ رہے ہیں آپ یہی ہو بھی جائیے
بیداری حواس ہے ظلمت کدے میں بار — افسانہ سن لیا ہے تو اب سو بھی جائیے

۱۲۷۶ اے چرخ مجھے دیر سے اکراہ کہاں ہے — لیکن صفتِ خود بیں کی طرف راہ کہاں ہے
اسلام کے دعوے میں باز آتا ہوں صاحب — یہ کون بتائے تمہیں اللہ کہاں ہے
مدرسہ میں میں داخل نہیں ہوں قوم کا خادم — چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

۱۲۷۷ فسانے رہ گئے وہ میں نہ انکا جاہ باقی ہے — وہی دنیائے فانی ہے وہی اللہ باقی ہے
مجھے دشوار ہے ان غافلوں کا ہم نوا ہونا — مرے سینے میں جبتک یہ دلِ آگاہ باقی ہے

۱۲۷۸ وہ قبلہ رو ہیں جنھیں رو براہ ہونا ہے — بہک گئے ہیں وہ جن کو تباہ ہونا ہے
جو آج ساکت و خائف ہیں ساتھ طاعت کے — انھیں کو حشر میں سب پر گواہ ہونا ہے

۱۲۷۹ خرد نے ذہن کی حالت تباہ پائی ہے — خدا کے نام میں دل نے پناہ پائی ہے
رہا نہ ہوش میں تقویٰ جدھر اٹھیں آنکھیں — بتِ حسیں نے غضب کی نگاہ پائی ہے
یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جسکی الا اللہ — خرد نے صرف رہِ لا الٰہ پائی ہے

۱۲۸۰ وعظ الحاد کہو واہ نہیں ہے نہ سہی — تم سلامت رہو اللہ نہیں ہے نہ سہی
شبِ غفلت میں نہ ہو روزِ ازل کا پرتو — لمپ بجلی کا تو ہے ماہ نہیں ہے نہ سہی
ہے گدام آپ کا مسجد کی ضرورت کیا ہے — پیٹ تو ہے دلِ آگاہ نہیں ہے نہ سہی
ہے درس پائے قلم کیلئے موجود اے دوست — سر کو سجدے سے اگر واہ نہیں ہے نہ سہی

۱۲۸۱ جسکے سینے میں دلِ آگاہ ہے — اُس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
منزلِ قومی سے آتی ہے صدا — جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے

ساری دنیا کو جو چھوڑے بہرِ حق — ساری دنیا میں اسی کی واہ ہے
لا الٰہ آسان ہے سائنس میں — فلسفے میں مشکل الا اللہ ہے
قبر پر کر اک تعمّق کی نظر — بحرِ ہستی کی نہیں پر تھاہ ہے
دورِ قرآن و تجارت ہو چکا — اب بنداری ہے یا تنخواہ ہے

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی — اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی ١٢٨٢

قدمِ شوق بڑھے راہ ملے یا نہ ملے — اُسوا ترک کر اللہ ملے یا نہ ملے ١٢٨٣

جلائے جب شعلۂ تحیّر تو ذہن ڈھونڈے پناہ کسکی — یہ کسکے معنی ہوئے ہیں ثابت یہ صورتیں ہیں گواہ کسکی ١٢٨٤
یہ چشمِ لیلیٰ کہاں سے آئی یہ قلبِ مجنوں کہاں سے اُبھرا — جو باخبر ہیں انہیں خبر ہے نگاہ کسکی ہے آہ کسکی
جمالِ فطرت کی لاکھ پرتو قبول پرتو کی لاکھ شکلیں — طریقِ عرفاں میں کیا بتاؤں یہ راہ کسکی وہ راہ کسکی

یہ کسکے عشوۂ نکا سامنا ہے کہ لذّتِ ہوش ہو گئی گم — خودی سے کچھ ہو چلا ہوں غافل چھپی ہے مجھپر نگاہ کسکی

قدم رکھتا ہے وہ اُسمیں جسے جو راہ ملتی ہے — صداقت ہو تو ہر سو دادِ خاطر خواہ ملتی ہے ١٢٨٨

اب زبان ساکت ہے خوفِ سامعِ بدخواہ سے — دل یہ کہتا ہے ملیگی چپ کی داد اللہ سے ١٢٨٩

اب کہاں وہ راحتِ دلخواہ اُٹھتے بیٹھتے — کر لیا کرتے ہیں یا اللہ اُٹھتے بیٹھتے ١٢٩٠

ابتدا میں غفلتوں پر واہ ہے — انتہا میں اللہ ہی اللہ ہے

محوِ کار اس بزم میں ہر شمع ہر پروانہ ہے — حسرت اُسپر ہے جو صرفِ قصّہ و افسانہ ہے ١٢٩٤

ہیں مست اُس مزے میں جو ہمنے چکھ لیا ہے — صرّاف کی نظر نے ہمکو پرکھ لیا ہے ١٢٩٦
اغیار کے عمل کو ہونگے کچھ اور میدان — ہمکو تو اب فلک نے کالج پہ رکھ لیا ہے

دل میں تو ضعفِ عقیدت کو کبھی راہ نہ دے — کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے ١٢٩٨

شاعر جو ملازم ہوا اکبر ذو قافیتین اسکا ہے لقب — پوچھو گے یہ کیوں تو توضیح سنو تنخواہ بھی ہے داد بھی ہے ١٢٩٩

۱۳۰۱ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یارو اللہ ہی اللہ ہے — منکروں کو اس صدا سے صدمۂ جانکاہ ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ہیں اللہ کے سوا — ماسوا کی فکر سے پھر کیوں تجھے اکراہ ہے
بات ٹالی میں نے یہ کہکر کہ وقتِ احتیاج — میرا مسلک بھی وہی ہے جو تمہاری راہ ہے

۱۳۰۲ نہیں وقوعِ حوادث میں کچھ یہاں غلطی — یہ بات یونہی ہے۔ جو تیرے دل میں ہو کہہ لے
ہزار بار جو وقتِ گذشتہ پھر آئے — ہزار بار وہی ہو جو ہو چکا پہلے

۱۳۰۳ خدا کی یاد ہے طاقت ہماری — مصلّٰے ہے ہمارا تختِ شاہی
ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ — ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی
بلند اپنی نظر ہے فضلِ حق سے — کریگی کیا کسی کی کم نگاہی

۱۳۰۴ اسکا یہ سمجھا ہے اور اُسکے ہیں بہانے — یورپ نے ایشیا کو انجن یہ رکھ لیا ہے
اس خوانِ مغربی سے بچتا ہے کون لیکن — حضرت نگل رہے ہیں بندے نے چکھ لیا ہے

۱۳۰۵ ہے ہوائے چمنِ دہر انہیں کے رُخ پر — اُنکے کھلنے کے یہ دن ہیں مرے مُرجھانے کے

۱۳۰۶ آپکے عارض کے آگے کیا جمے گا اُسکا رنگ — گُل جو گلشن میں سنورتا ہے سنورنے دیجئے
ہو چکا بسمل۔ کہاں تک آفریں ہر وار پر — واہ کی طاقت نہیں اب مجھکو مرنے دیجئے

۱۳۰۷ جی رہا ہوں میں فقط اب انتظارِ مرگ میں — سانس لینا رکگیا ہے جان دینے کے لئے

۱۳۰۸ عبث اظہارِ خودی میں ہے یہ مستی میری — وقت کے ساتھ اُڑی جاتی ہے ہستی میری
خس و خاشاک بھی ہو جاتے ہیں شعلے سے بلند — سوزِ باطن کے نہ ہونے سے ہے پستی میری

۱۳۰۹ حریفوں کے لئے ہنگامۂ مشقِ قوافی ہے — یہاں انشائے دل کو آہ کا مصرعہ بھی کافی ہے
کہا جب میں نے ہوں بیمار تیری چشمِ فتاں کا — بُتِ طناز نے ہنسکر کہا اللہ شافی ہے

۱۳۱۱ اُن آنکھوں نے بہت نیرنگیاں فطرت کی دیکھی ہیں — مرے دل نے بہارِ عالمِ حیرت کی دیکھی ہیں

۱۳۱۴ خود ناتوان مضطر اوروں کے رنگ پھیکے — کر رکھیں کیا کسی کو کیا ہو رہیں کسی کے

غم و شادی کی نیرنگی دلیلِ خود پرستی ہے — وہی دل خوب ہے جسکو فقط ہستی کی مستی ہے

وجد میں آئے حیرتوں میں رہے — عجز کے ساتھ لب کشائی کی

بندگی کا صلا ملے نہ ملے — داد دیدی مگر خدائی کی

۱۳۱۷ ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لیئے — منزلِ ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لیئے

کیا مجھے خوش آئے یہ حیرت سرائے بے ثبات — ہوش اُڑنے کیلئے ہے جان جانے کے لیئے

دل نے دیکھا ہے بساطِ قوتِ ادراک کو — کیا بڑھے اِس بزم میں آنکھیں اُٹھانے کے لیئے

خوب اُمیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب — بدلیاں اُٹھیں مگر بجلی گرانے کے لیئے

سانس کی ترکیب پر مٹی کو پیار آہی گیا — خود ہوئی قید اسکو سینے سے لگانے کے لیئے

جب کہا میں نے بُھلا دو غیر کو ہنسکر کہا — یاد پھر مجھکو دلانا بھول جانے کے لیئے

دیدہ بازی وہ کہاں آنکھیں رہا کرتی ہیں بند — جان ہی باقی نہیں اب دل لگانے کے لیئے

مجھکو خوش آئی ہے مستی شیخ جی کو فربہی — میں ہوں پینے کیلئے اور وہ ہیں کھانے کے لیئے

اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد — جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کے لیئے

شعر کہاں کے ساز کیسا کیسی بزم سامعیں — جوشِ دل کافی ہے اکبر تان اُڑانے کے لیئے

اِکتسابِ ایسے کمالوں کا شکم سے چاہیئے — جن کو تم حاصل کرو روٹی کمانے کے لیئے

۱۳۱۸ ٹپکتے ہیں وہ مضمون جنوں آمیز خامے سے — کہ اکثر ہوش ہو جاتا ہے باہر اپنے جامے سے

۱۳۱۹ نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے — انجمن میں ہوں مگر عالمِ تنہائی ہے

حُسن صحبت یہ ہے تو اب یادِ خدا کی نہیں خیر — یہ ادا ہے تو نمازوں کی قضا آئی ہے

محوِ حیرت وہ ہوا اسیرِ خموشی کی بہار — آنکھ نرگس کی ہے سوسن نے زبان پائی ہے

طلب عشق کا اک جوش ہے فطرت سے عیاں — جس طرف دیکھئے طوفان خود آرائی ہے
عشوۂ دہر سے ہیں مست بدن میں جانیں — کم ہیں جو سوچ رہی ہیں کہ فضا لائی ہے

۱۳۲۱ یہ مصیبت ناتواں دل نے کبھی دیکھی نہ تھی — پہلے بھی تکلیف اس کو تھی مگر ایسی نہ تھی
بے حواسی میں ہیں کچھ سمجھا نہیں اے ہمنشیں — کیا دل پر غم مرا تڑپا تھا یہ بجلی نہ تھی
فلسفی کی بات بھی میں نے سنی واعظ کی بھی — جانب حق رہ نما وہ بھی نہ تھی یہ بھی نہ تھی

۱۳۲۲ مری دنیا جو تھی وہ ہو چکی کل اک کہانی تھی — کوئی کہتا ہے فانی ہے میں کہتا ہوں کہ فانی تھی

۱۳۲۳ عدو کی کید ہو حامی تو بے کسی اولیٰ — جو وصل ذوق شکن ہو فراق ہی اولیٰ
رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم — یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اولیٰ
خدا ہی سے ہو امید اور وہ بھی عقبےٰ میں — یہی ہے خوب مناسب یہی یہی اولیٰ
نظام مدعی رہبری کو دیکھ اکبر — مری نظر میں تو تیری ابتری اولیٰ

۱۳۲۴ مذہب کے یہ مباحث نکلے ہیں مسٹری سے — انکو ہے کیا تعلق وحدت کی مسٹری سے

۱۳۲۵ رہ مقصود میں ہم بھی کبھی انجن چلا لیتے — مگر پتھر کے کوئلے عوض بت جھونکے جاتے تھے
کمربستہ خلوص دل سے حاضر رہ تری خدمت — کسی دن مستحق الطاف سلطانی کی ٹھہرے گی
ذرا سیر بہار عالم فانی کی ٹھہرے گی — نشاط افزا ہے منزل کچھ نشئے پانی کی ٹھہرے گی

۱۳۲۶ حجاب تمکنت کو دور کرنا ہے زمیندار سے — سوا اسکے جو باتیں ہیں فقط اک پردہ پوشی ہے

۱۳۲۸ اب میری زندگی میں نہیں نور انبساط — یہ شمع جل رہی ہے مگر ہے بجھی ہوئی
جس پر پڑی ہے سخت مصیبت زمانے میں — جو کچھ کہے گا ہوگی ہماری کہی ہوئی
سب کو فنا خدا کو بقا بات حق یہ ہے — میں کیا کہوں گا ہے یہ خدا کی کہی ہوئی
مرنے میں اس خیال سے تسکین ہے بہت — لی میری جان اسی نے کہ تھی جسکی دی ہوئی

میری نگاہِ شوق پڑی خوش ہوئے یہ بت — اِک چیز مفت مِل گئی اِن کو پڑی ہوئی

۱۳۳۰ مِٹ گئے ہیں مگر اک نقش ابھی باقی ہے — آنکھ مایوس ہے شوریدہ سری باقی ہے
آنکھ سے نور گیا دل سے گیا صبر و قرار — جان بھی جسم سے رخصت ہوئی باقی ہے
اِن مصائب میں بھی مایوس نہیں ہوں اکبر — قیدِ ہستی سے رہائی کی خوشی باقی ہے

۱۳۳۱ فغان و آہ کی لذت جو دل جلے تو ملے — نشانِ نکہتِ گُل جب کلی کھلے تو ملے
وہ باغِ حسن ہیں لیکن ہے بند غنچۂ لب — مزا چمن کا اگر یہ کلی کھلے تو ملے
ہوئی جو صلح تو اب احتیاط یہ کیسی — تکلفات کو تہ کیجئے ملے تو ملے
میں شکوہ کرتا تھا اس وجہ سے نہ ملتے تھے — جو ترک کر دیئے ہیں وہ سب گلے تو ملے
کھُجا رہا ہے تو زخموں کو اپنے اے اکبر — پر اس کا لطف کوئی زخم اگر چھلے تو ملے

۱۳۳۲ زبانیں بحث میں اُلجھی ہیں حیرت دل پہ چھائی ہے — حدیثوں میں تذاہب ہیں حوادث میں خدائی ہے

۱۳۳۳ شکلِ اطمینان کم اس عالمِ فانی میں ہے — کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے
دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہلِ جور کو — ساری قوت صَرف جب اسکی نگہبانی میں ہے
حضرتِ اکبر کو مشکل ہے بیانِ حالِ دل — گو یہ سنتا ہوں کمال اُن کو سخن دانی میں ہے

۱۳۳۵ ہند میں تو مذہبی حالت ہے اب ناگفتہ بہ — مولوی کی مولوی سے روبکاری ہوگئی
اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جاں — خدمتِ قومی میں بارے جاں نثاری ہوگئی
اپنے میلانِ طبیعت پر جو کی میں نے نظر — آپ ہی اپنی مجھے بے اعتباری ہوگئی
نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہوگئی — لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہوگئی
سازِ عیشِ مغربی کی دلنوازی کچھ نہ پوچھ — میں نے جس مِس کو یہاں چھیڑا ستاری ہوگئی

۱۳۳۶ اس انجمن میں آکر راحت نصیب کس کو — پروانہ بھی جلے گا اور شمع بھی جلے گی

دُنیا اُبھارتی ہو آج اپنے عاشقوں کو — مرجائینگے تو اُنکا کل نام بھی نہ لے گی
دنیا کی آرزو سے خالق بچائے دل کو — پیدا ہوئی تو پی کر خونِ جگر پلے گی
عبرت زدہ جو دل ہو ارمان اسمیں کیسے — بجلی گری ہو جسپر وہ شاخ کیا پھلے گی
جنّت بنا سکے گا ہرگز کوئی نہ اُس کو — دُنیا یونہی چلی ہے اکبر یونہی چلے گی

۱۳۳۸ بس عشق و وفا ہی کی مرے دل میں ٹھنی ہو — ناصح کی میں سُنتا نہیں ہو جو شدنی ہو
پیروں نے میاں ہمکو بنا رکھا ہو اب تک — بگڑی ہوئی حالت ہو مگر بات بنی ہو

۱۳۳۹ ہے زندگی اُسی کی فخرِ جہانِ فانی — جسنے فنا کو سمجھا مرنے کی قدر جانی
طوفانِ جوشِ دل کی آنسو میں اک جھلک ہے — ہوتی ہیں کیا دھرا ہو بس ایک بوند پانی
ہستیٔ آخرت سے اُمید ہے بہت کچھ — بہتر کشد ز اوّل نقّاش نقشِ ثانی
رکھی رہی نصیحت نافذ ہوئی مشیّت — کسنے سُنی کسی کی اور کس نے کسکی مانی

۱۳۴۰ جہاں تک اپنے لیئے ہوں میں کی ہستی ہو — جو کچھ خدا کے لیئے ہوں وہ اصل ہستی ہو
نہیں ہو نشۂ وحدت میں خوفِ زلفِ بُتاں — جو ہوش میں ہیں یہ ظالم اُنھیں کو ڈستی ہو
نہ بھول شہرِ خموشی کا نقشہ اے کالج — خیال رکھ کہ یہی حشر ہی کی بستی ہو
بتوں کو مجھ سے توقع ہو مدح کی اکبر — یہ سُن لیا ہے کہ اُردو زبان سستی ہو

۱۳۴۱ نہایت فکر گو مذہب کو ہو خوش انتظامی کی — نہیں ہو موت کر پروا کچھ اپنی نیکنامی کی
طلب تحسیں کی کیوں تجھکو ہو بزمِ حریفاں سے — سرورِ طبع خود ہو داد تیری خوش کلامی کی
تمھارا انتظامِ دل اگر روشن نہیں اکبر — تو بیتوں کو نہ چمکائیگی ترکیبیں نظامی کی

۱۳۴۲ اللہ اللہ کتنی نازک وہ رنگیلی ہو گئی — نام ہی بوسے کا سنکر نیلی پیلی ہو گئی
سایۂ مغرب میں شوقِ دل نے پھیلائے تو پاؤں — چار ہی دن میں مگر پتلون ڈھیلی ہو گئی

جماعت منتشر ہو فطرتی مجلس تو باقی ہے — زبانیں بند کر دو دل کے اندر حس تو باقی ہے ١٣٤٤
اسی کا رنگ حیرت دیکھ کر بہلائیں گے دل کو — چمن سے گل اگر رخصت ہوا نرگس تو باقی ہے
یہ مصرعہ قافیے ہی کیلئے ہے خوب اے اکبر — جو اُجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

ملانا خاک میں فطرت جب اپنی دل لگی سمجھے — تعجب ہے کہ تو اس زندگی کو زندگی سمجھے ١٣٤٥

یہ عجب عمل ہے عجب اثر یہ عجیب نقش ابھرے گئے — جو بچے بہت تو بچے ذرا جو کھری کہی تو دھرے گئے ١٣٤٦
تری بزم اکبر خوش بیاں ہے محلِ فرحتِ دوستاں — جو ملول آئے وہ خوش گئے جو فسردہ آئے ہرے گئے

قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے — مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے ١٣٤٨

تیزیاں کرتے ہیں قانون بدلنے والے — زحمتیں سہتے ہیں قانون پہ چلنے والے ١٣٤٩

اِدھر فریادِ بلبل ہے کہ یہ سب رنگ فانی ہیں — اُدھر رونا ہے شبنم کا کہ گل کی یہ ہنسی کیسی ١٣٥٠
کبھی خوانِ فلک سے کوئی نعمت بھی چکھی تھی — مگر یہ بھی نہیں یاد اب کہ لذت اسکی تھی کیسی
تماشائے جہاں اے بےخبر تجھکو مبارک ہو — یہاں دل داغِ حسرت سے بھرا ہے دل لگی کیسی
جہاں گھر تھا وہاں قبریں جہاں دل تھا وہاں شعلے — یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی
گلِ مضموں سے اکبر رنگِ خونِ دل ٹپکتا ہے — تری حالت یہ کیا ہے یہ غزل تو نے کہی کیسی

نہ سہی لطفِ لحم گھی ہی سہی — شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی ١٣٥١
زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

دینِ آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی — جھگڑے میں پڑ گئی ہے انساں کی زندگانی ١٣٥٢
الفاظ سے نہیں ہے تسکین اُسکے دل کو — اکبر پہ رحم فرمائے خالقِ معانی

تقلید سے نہ چلتا ہے نہ پیڑوے سے چلتا ہے — سمجھ لو خوب کارِ سلطنت لوہے سے چلتا ہے ١٣٥٣

کبر بھی شرک ہی کی مستی ہے — خود پرستی بھی بت پرستی ہے ١٣٥٤

۱۳۵۵ بھنڈارے سے دیڈ لگا بہ خوشی سید جو گرو جی مانگیں گے — ہاں کام ذرا ٹیڑھا ہوگا بسکٹ کو جو سوجی مانگیں گے

مشتاق نہیں ہیں زندگی کے — مرنا ہی تو کیا کریں گے جی کے
پائی نہ کسی میں بو وفا کی — چاہا تھا کہ ہو رہیں کسی کے
توحید کا مسئلہ ہے اصلی — باقی ہیں شگوفے ہسٹری کے
رندی کس کام کی یہ اکبر — ملتے نہیں جب کسی سے پی کے
گل ہوا چاہتی ہے شمع حیات — اب خدا ہی سے لو لگائی ہے

۱۳۵۹ تعارف باہمی مخلوق کا تاریک و ناقص ہے — خدا ہی کو ہے پوری آگہی ہر اپنے بندے سے

۱۳۵۹ صرف اللہ ہی کی یاد میں مستی اچھی — خود پرستی سے مگر گور پرستی اچھی

۱۳۶۲ دامنِ گل پھیل کر اس باغ سے کیا لے گئے — ہو گئے نذرِ خزاں اور داغِ حسرت دے گئے
مُردوں پہ روتے نہیں روتے ہیں اپنے حال پر — رہ گیوں پر ہے مصیبت جو گئے اچھے گئے

۱۳۶۳ صورتِ فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے — مجھکو حیرت ہے کہ یہ بت کیوں خدا مانے گئے
بزمِ دنیا میں فقط صورت پرستی رہ گئی — وہ جمالِ شاہدِ معنے کے دیوانے گئے
اک زمانے میں تو خواہش تھی کہ جانیں ہمکو لوگ — اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اسقدر جانے گئے
بولے چپراسی جو میں پہنچا بہ امیدِ سلام — پھانکیے خاک آپ بھی صاحب ہوا کھانے گئے
مجھ میں اظہارِ محبت اُنمیں اظہارِ کمال — میں یہاں رونے گیا اور وہ کہیں گانے گئے

۱۳۶۸ کامیابی ہو گئی تو بے وقوفی پر بھی ناز — اور جو ناکامی ہوئی تو عقل بھی شرمندہ ہے

۱۳۶۹ شیخ صاحب آپ کو شیریں مقالی چاہیئے — [illegible] چاہیئے اور خوش خیالی چاہیئے
طعن میں غمزے میں [illegible] نہیں ہے بہتری — [illegible] کا ظرف عالی چاہیئے

۱۳۷۰ تنہائی [illegible] صحبت میں [illegible] — دنیا کی روش کوئی سی بھی ہو کچھ اس میں برائی ہوتی ہے

پرستش اُس بُتِ عیّار کی کسکو خوش آتی ہے — کوئی کیا شوق سے کرتا ہی مجبوری کراتی ہے ۱۳۷۱

ہمارے ذہن کو اس مصرعِ اکبر پہ مستی ہے — خوش اخلاقی عبادت ہی خوشامد بُت پرستی ہی ۱۳۷۲

چُپکا کھڑا ہوں اپنی تباہی کے سامنے — کہنا جو ہی کہوں گا خدا ہی کے سامنے ۱۳۷۳
ہوں ہر نفس میں اپنے خدا ہی کے سامنے — کیسی دلیل دل کی گواہی کے سامنے

میں کسی بات کا نہیں خوگر — صرف عادت ہی سانس لینے کی ۱۳۷۵

اُنکو بسکٹ کیلئے سوجی کی تھیلی مِل گئی — کمپ میں غُل مچ گیا مجنوں کو لیلی مل گئی ۱۳۷۷

پڑے ہیں بسترِ غم پر نہ دانا ہے نہ پانی ہی — نظر تک اُٹھ نہیں سکتی یہ زورِ ناتوانی ہی ۱۳۷۸
چمن کا رنگ جوشِ موسمِ گُل میں معاذ اللہ — خدا حافظ نگاہوں کا حسینوں کی جوانی ہی

قدردانِ طرز و وضعِ عہدِ شاہی کون ہی — لاکھ تنئے آپ کو اب پوچھتا ہی کون ہی ۱۳۷۹
اب میں چندے میں غرقی بھی کرونگا نذرِ قوم — ستر کیسا میری جانب دیکھتا ہی کون ہی
لیڈروں کی دھوم ہی اور فالور کوئی نہیں — سب تو جنرل ہیں یہاں آخر سپاہی کون ہی

اُنسے بوسا مانگتا ہوں اِن سے ووٹ — بُت بھی مجھ سے تنگ ہیں اور شیخ بھی ۱۳۸۷

تھے معزز شخص لیکن اُنکی لائف کیا لکھوں — گفتنی درجِ گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی ۱۳۸۸

نفس سے بچنے کی انساں چارہ جوئی کیا کرے — فطرتی رہبر یہی ہی اس کو کوئی کیا کرے ۱۳۸۹

کاہلی کرنے کی فرصت مِل ہی جاتی ہی مجھے — رشک آتا ہے عدیم الفرصتی پر وقت کی ۱۳۹۰

گردوں نے ملایا خاک میں بھی اور غم نے بھی گھیرا غفلت کو — با اینہمہ اکثر اہلِ جہاں کچھ روز تنے اور خوش بھی رہے ۱۳۹۱
صیاد ہنر دکھلائے اگر تعلیم سے سب کچھ ممکن ہی — بلبل کیلئے کیا مشکل ہی اُلّو بھی بنے اور خوش بھی رہے

شکم سے حضرتِ انساں نجات پا نہ سکے — اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے ۱۳۹۳

عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی — ہوش کے ٹکڑوں سے میں میں کی صدا آنے لگی ۱۳۹۴

۱۳۹۵ حضرتِ اکبر نے فرمایا یہ خوب داد کے قابل ہے یہ فرزانگی
عذر ہمکو کچھ غلامی میں نہیں ہے فقط تکلیف دو بیگانگی

۱۳۹۶ موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی جا کے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

۱۳۹۷ آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی ابتک میں بچا تھا آج پی لی
پھاڑے مغرب نقاب نسواں مشرق نے تو آنکھ اپنی سی لی
بولی فطرت دل و زباں دیکھو یہ ہمارا ہے وہ تمھاری ہے
ذمہ داری بہیش خلق اس پر اس کا شاہد جناب باری ہے

۱۴۰۰ اب ہے ساون کا سماں اور مہ جولائی ہے یہ ہوا خوب کہ بیلے کی بھی بولائی ہے

۱۴۰۲ قوتِ ایماں سے کہہ دو سب کو سمجھاتی رہے نیکیاں کثرت سے ہوں مغلوبیت جاتی رہے

۱۴۰۴ ہم سے چھن کر ہو گئی بزم ترقی کے سپرد سچ کہا مرزا نے اب اردو بھی کورٹ ہو گئی

۱۴۰۵ خوشامد ہے بجا دنائت ہے چغلی دل و دیں کی بیشک تباہی یہی ہے
فسادات کے تم نہ حامی ہو ہرگز گورنمنٹ کی خیرخواہی یہی ہے

۱۴۰۶ بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

۱۴۰۷ غفلتوں کا خوب دیکھا ہے تماشا دہر میں مدتیں گذری ہیں مجھکو ہوش میں آئے ہوئے
خانہ دل کو مرے توڑا تو کیا ایسی نمود چشم بد دور آپ تو ہیں مسجدیں ڈھائے ہوئے
سیٹھ صاحب کے یہاں شادی ہے رندوں کو نوید اچھے اچھے طائفے ہیں شہر میں آئے ہوئے
بابو جی نے سچ کہا لاؤ کوئی تازہ غزل گیت کیا گاؤں گراموفون میں گائے ہوئے
ہو چکی دو دن کی شادابی اُڑا رنگ بہار پھول ہیں سوکھے ہوئے غنچے ہیں مرجھائے ہوئے

۱۴۰۸ شیر مردوں نے شتربن کے اٹھایا ہے ذرا بار بکری بنے ہوئے ہیں طرفدار گائے کے

فاتح کے سامنے نہیں رہتے تعصبات — آخر مطیع ہوتے ہیں سب اسکی رائے کے
اچھے وہی جو شوقِ الٰہی میں محو ہیں — تم کر ہی کیا سکے ہو بجز ہائے ہائے کے

رہیں خدا کیلئے ہیں بیشک علاج ہمارے لئے نہیں ہے — قضا پہ راضی ہوں اور جئیں ہم نفس بھی جب بوجھ نہیں ہے ۱۴۰۹
یہ طبعِ اکبر یہ رنگ اکبر یہ اسکی باتیں یہ اسکے نغمے — ادب کے قابل ہے اسکی مستی شراب اگر وہ پئے نہیں ہے

اک مرض بن کر مسلط ہے بلائے زندگی — درد ہی سے ہوتی رہتی ہے دوائے زندگی ۱۴۱۰

دنیا کا ذرا یہ رنگ تو دیکھ ایک ایک کو کھائے جاتا ہے — بن بن کے بگڑتا جاتا ہے اور بات بنائے جاتا ہے ۱۴۱۱
انسان کی غفلت کم نہ ہوئی قانونِ فنا کی عبرت سے — ہر گام پہ کٹتے پاؤں بھی ہیں اور سر بھی اٹھائے جاتا ہے
اسکو خبر کچھ اسکی ہی ہے اسکو ہے نہ کچھ پروا اس کی — روتا ہے رلائے جاتا ہے ہنستا ہے ہنسائے جاتا ہے
کچھ سوچ نہیں کچھ ہوش نہیں فتنوں کے سوا کچھ جوش نہیں — وہ لوٹ کے بھاگا جاتا ہے یہ آگ لگائے جاتا ہے

بہارِ بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی — بجا ہے حیرتِ نرگس یہ گل کی یہ ہنسی کیسی ۱۴۱۲
خلافِ بیخودی کیوں ہے یہ وعظِ حضرتِ واعظ — خودی ہی کو نہیں سمجھا ابتک بیخودی کیسی
نہ پوچھا قیس نے لیلیٰ نے کچھ مجھکو بھی پوچھا تھا — جو آیا وادی سے بس اتنا ہی پوچھا اس سے تھی کیسی
خدا کے ساتھ ہونیکا یقیں مشکل سے آتا ہے — وگرنہ جب خدا ہی ساتھ ہو پھر بیکسی کیسی

جب خوب کیا کا کوئی موقع نہ نکالا گیا — پھر کیا جو ہوئی دھوم فقط خوب کہی کی ۱۴۱۳

قرآن پڑھکے میری تو قائم ہوئی یہ رائے — صرفِ دعا رہو نہ اہا ہا نہ ہائے ہائے ۱۴۱۴
گردن کشی کرینگے عرب میں اب اونٹ بھی — ابتک تو ہند ہی میں بھڑکتی تھی مجھ سے گائے

اے فلک انگلش و جرمن ہوں مبارک تجھکو — ہمکو تو اردو و ہندی میں بسر کرنا ہے ۱۴۱۵

مذہب دبا ہوا نہو فکرِ معاش سے — اندازۂ ترقیِ ملت اسی میں ہے ۱۴۱۶

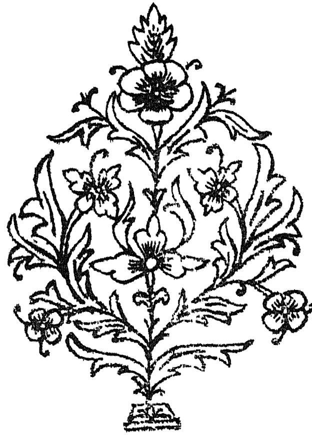
جو خدا کے جاننے والے تھے صوفی ہو گئے — داستانِ بدر والے شیعہ سنی ہو گئے ۱۴۱۷

ف مصنف خود ان قوافی کو بالکل ٹھیک نہیں سمجھتا۔

۱۴۱۸ شیرانِ مشرق کا اُنھیں منظور ہی شکار — پھنسے بندھے ہوئے ہیں ترقی کے شوق کے

۱۴۱۹ مسٹر نقلی کو عقبےٰ میں سزا کیسی ملی — شرح اسکی نامناسب ہی ملی جیسی ملی

۲۰ اُسنے بھی لیکن ادب سے کر دیا یہ التماس — چارہ کیا تھا اے خدا تعلیم ہی ایسی ملی



قطعات

۱۴۲۰ ابتدائے عالمِ ہستی میں میں بیہوش تھا — ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے — بعد ازاں جبتک جیا مغموم تھا خاموش تھا

۱۴۲۱ اِک بحرِ بے کراں ہے حوادث کا سلسلا — اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہوگیا
اُٹھے مورخین زمانے میں گم ہوئے — افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہوگیا

۱۴۲۲ فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا — برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہم نفسِ قطرہ بن گئی دم بھر — حباب نے بھی خودی کا مزا اُٹھا ہی لیا

۱۴۲۳ ہوئی تدبیر کفر آمیز سے بدتر مری حالت — بجا ہے مجھکو اس تاریک باطن کا گِلا کرنا
پریشانی کو دافع کر دیا زلفوں کو سلجھا کر — بلا کو سخت تر کرنا ہے اصلاحِ بلا کرنا

۱۴۲۴ شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی رہے صحت پیدا — بے تکلف نہ کیا کیجئے رغبت پیدا
گھر میں احساس ضرورت ہو تو بازار کو جا — کر نہ بازار میں تو جا کے ضرورت پیدا

۱۴۲۵ پیٹ سے دل نے کہا درجہ ہمارا ہے بڑا — ساغرِ جمشید ہم ہیں تو ہے بنئے کا گھڑا
پیٹ بولا اصطلاحیں تیری سب منسوخ ہیں — ہم ہیں اب غربی گدام اور تو ہے شرقی جھوپڑا

۱۴۲۶ تمکین اک نشان ہے عصمت کی آن کا — پردا بس اک ظہور ہے عورت کی شان کا
پردا تو اُنکا حق ہے نہیں اُن پہ جبر کچھ — آیا ہے اُن پہ وقت یہ سخت امتحان کا
شوخیٔ مغربی کے خریدار ہیں بہت — گاہک مگر خدا ہے حیا کی دکان کا

۱۴۲۷ یہ کہتے نہیں ہم کہ گردوں نے ہمکو — مسلمان ہونے کا شائق نہ رکھا

مگر یہ کہ اوضاع دنیا نے ہم کو — مسلمان رہنے کے لائق نہ رکھا

۱۴۲۸ انتظامی بات ہے یہ ہوتی آئی ہے یونہیں — اسکا کیا شکوہ کہ انکو ہم پہ غالب کر دیا
ہاں یہ ہے افسوس ہمسے چھن گیا صبر و قرار — طالب حق کو فلک نے اُن کا طالب کر دیا

۱۴۲۹ کہا بقراط سے دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا — کہا اُس نے کہ میں لایا گیا مجھکو پڑا آنا
کہا کیونکر بسر کی عمر بولا ساتھ حیرت کے — کہا کیا جانا بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

مرگِ ہاشم ۱۳ سنہ ۱۹۱ء

۱۴۳۰ اک زمانا تھا کہ مجھکو اپنے دل پر ناز تھا — ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا
بزم ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاک — گو حوادث کیلئے اک فرش پا انداز تھا
میرے ہر اندیشۂ مضطر کا تھا وہ غمگسار — ہر نفس میرے لیئے وہ گوش بر آواز تھا
انقلاب دہر سے بے اعتنائی تھی اُسے — اسمیں حیرت آفرینی تھی تو یہ طنّاز تھا
پیش آیا نا کہاں وہ اک فراقِ روح سوز — برق بیتابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا
اب وہی آرام جاں اک زخم پہلو ہو گیا — کیا یہی وہ دل ہے اکبر مجھکو جسپر ناز تھا
ہاں وہی دل ہے کہے گا تجھ سے اک دن ناز سے — تیرا صدمہ خوبیٔ انجام کا آغاز تھا

فریادِ مجنونانہ

۱۴۳۱ جس سے میری زندگی تھی مر گیا۔ کیوں مر سکا — چرخ نے یارب ستم مجھ پر کیا کیوں کر سکا
واقعات جانگزا کا کیوں ہوا ایسا وقوع — کیوں نہ ہو ہاں آہ تھا قانون فطرت کر سکا

۱۴۳۲ بھلا سائنس کیا سمجھے نزاکت شوق عاشق کی — کہاں فوٹو سے وہ نکلا جو ہے دل میں نہاں تھا

لیا فوٹو نے زندہ عکس لیکن چشمِ حیراں میں ... ہماری آنکھ میں گو حسن تھا لیکن عکس حیراں تھا
۱۴۳۳ کریں کوشش اگر اس وقت میری رائے میں اکبر ... مناسب مشورہ ہے صبر و یکسوئی و تقوی کا

صبح کو کہتا ہوں دیکھوں کس طرح کٹتا ہے دن ... شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا
۱۴۳۴ عمر یوں ہی کٹ گئی آخر ہوا معلوم یہ ... عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

اکبر کی خرافات سے ناخوش ہوئے ایسے ... نامہ ہے نہ پیغام نہ حصّہ ہے نہ بخرا
۱۴۳۵ مانا کہ حسینوں کیلئے ناز ہے لازم ... لیکن کوئی پوچھے تو کہ پاگل سے بھی نخرا

کالج میں ہو چکا جب امتحاں ہمارا ... سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا
۱۴۳۶ رتبے کو کم سمجھ کر اکبر یہ بول اُٹھے ... ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم ... جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

کل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں ... فوٹو ہے صرف سطحِ پیشِ نگاہ کا
۱۴۳۷ وہ بھی فقط خیالِ مصنف بہ قیدِ خود ... کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا
اس طرف تو نے ہسٹری کھنگالی ... اُس طرف جا کے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبر خیالِ عقبےٰ سے ... نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

غرور توڑ کے منطق کو سُست کر دیگا ... زمانہ آپ ہی اُس کو درست کر دیگا
۱۴۴۳ بلا پہ صبر کرو تم خدا خدا میں رہو ... خدا ہی صبر کی ہمّت کو چُست کر دیگا

صد حیف کہ ماہِ رمضاں ختم ہوا آج ... پھر رات کو عالم ہے وہی بے خبری کا
۱۴۴۴ اُٹھتے تھے سحر کھانے کو اور جلتی تھیں شمعیں ... افسوس گیا نورِ چراغِ سحری کا

میری طرف سے سارا جہاں بدگماں ہے اب ... آزادیِ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب
۱۴۴۵ رکھتے ہیں پھونک پھونک کے باتیں میں قدم ... تیغِ زباں نہیں ہے عصائے زباں ہے اب

۱۴۴۷ کتابوں ہی میں ہجائینگی ساری تین پانچ انکی   طریقے اُسکے لیکن اور ہیں کہنے کی کیا حاجت
بتوں نے پیچ کہا اُس پشت میں رخصت ہو یہ شیخی   عقیدوں کی دوا کالج تعصب کی دوا حاجت

۱۴۴۸ طرح مغرب کو دیکھکر جو کہے   باہمیں طرح ہا بباید ساخت
کہہ دے قرآن سے بھی وہ یہ بات   باہمیں شرح ہا بباید ساخت

۱۴۴۹ دیر دیر پر میں نے کی ڈنڈوت   بھری تھی مرے دل میں ٹھاکر کی پیت
کیا شور چیلوں نے یہ ہر طرف   مہاراج کی جے گروجی کی جیت

۱۴۵۰ کرلی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ   مجھ سے بہت نہ کیجئے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا   ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پر آئی آنچ

الف ۱۴۵۰ میں نے کہا یہ اپنے خیالِ خضر سے آج   بتلاؤ اس روش سے ترقی کی کیا اُمید
ہر کام پر جو طاعتِ حق سے الگ پڑا   ہوتے رہوگے مرکزِ قومی سے تم بعید
ہاں انتشار و جہل کی تکمیل ہو گی جب   ہو جاؤگے بتانِ کلیسا کے تم مُرید
شاید کہ مدعا بھی تمھارا ہے بس یہی   ہر چند ابھی ہو درس کے پردے میں ناپدید
حیرت سے مجھکو دیکھ کے اس خضر نے پڑھا   حافظ کا اک یہ شعر جو معنی کو تھا مفید
سرِ ازل کہ عارف سالک بہ کس نگفت   در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

۱۴۵۲ انور سے کہا میں نے کہ خاموش ہو کیوں تم   تقریر نہ تحریر نہ غصّہ نہ خوشامد
بابو کے نہ دمساز نہ یاروں کے ہم آواز   ماہی میں نہ ممتاز نہ اشتر میں سرآمد
کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے   کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

۱۴۵۳ اگر ہیں بھی باقی کچھ اب دردمند   تو بس پھینکتے ہیں وہ لفظی کمند
بہ یک لکچر آمد از حضرت البند   بہ یک بزم مقدار چندہ دو چند

کہاں اب وہ دل اور طبع بلند   جنھیں کہہ گئے سعدیٔ ارجمند
بیک نعرہ کوہے زجا برکنند   بہ یک نالہ ملکے بہم برزنند

۱۴۵۴ اصلی غم و شادی کا نہیں قوم میں احساس   چشمِ عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود
پابند ہیں اُسکے رزولیوشن جو ہوا پاس   ہنسنے پہ بھی تیار ہیں رونے کو بھی موجود

بہ چشمش بود رنگِ بے ثباتی   بہار آورد گلہا را خزاں برد
بہ عبرت زندگانی کرد اکبر   بداں زاد و بداں بود و بداں مرد

۱۴۵۶ خزاں سے جنگ کروں یہ نہیں مجھے سودا   ملول میں بھی ہوں لیکن ہے انتظارِ بہار
نفیس تخم بنا رکھو اپنے عزموں کو   اور اُس کے بعد رہو تم امیدوارِ بہار
جینے والوں کی ترنگیں ہیں فقط پیش نظر   مرنیوالوں کے مصائب کی بہت کم ہے خبر
یہی باعث ہے کہ غفلت میں پھنسی ہے دنیا   لبِ خنداں کی ہے کثرت عوضِ دیدۂ تر

۱۴۵۸ میں کیا کرونگا عزیزو یہ پارٹی لیکر   مزا تو جب ہے کہ آئے وہ پارٹی لیکر
خموش ہو گیا بُت کی طرح میں کونسل میں   برہمن اُٹھے جو اپنی مجارٹی لیکر

۱۴۶۰ ملانے دینگے مذاہب کبھی نہ ایسے شر   کہ ہر طرف یہ سُنو یا اخی بیا و بخور
مخالفت سے نہ باز آئے گی دنی دنیا   فقط یہ زور سے دبتی ہے یاد رکھ یہ گر
اُنھیں کی بھنیس ہے بھائی کہ جنکی لاٹھی ہے   اُنھیں کا گانوں ہے اکبر جو بن سکیں ٹھاکر
نجات کے لیئے کافی ہے سینۂ صافی   پیادہ پائی پہ خوش رہ الی الابلِ انظر
مگر زمانے کی رونق ہے طفل طبعوں سے   اندھیری رات ہے اور پھلجھڑی کی ہے پھر پھر
اگرچہ نام خدا اور رسول لیتے ہیں   در اصل جزو شکم ہے یہ مذہبی غنصر

۱۴۶۲ طبع کا شغل ہو جو پولٹکل   تو نہیں ختم وہ فسانہ سوز

فتنہ انگیزِ اختلاف میں ہے ۔۔۔ اُس کے خرمن کا دانہ دانہ ہنوز
وہی ابتک ہے طاقتوں میں نفاق ۔۔۔ وہی انداز حاسدانہ ہنوز
وہی سامان خانہ جنگی کے ۔۔۔ وہی طرزِ معاندانہ ہنوز
ہے کھُلا حرصِ جنگ دنیا میں ۔۔۔ نار و آہن کا کارخانہ ہنوز
خود فراموش خود فروش وہی ۔۔۔ وہی سودائے تاجرانہ ہنوز
وہی لیسنس کی طلبگاری ۔۔۔ وہی انکار کا بہانہ ہنوز
ہاں جو عرفان کھولدے دیدِ دل ۔۔۔ ہے نظر میں وہی زمانہ ہنوز
وہی شوق اور وہی اثر موجود ۔۔۔ وہی تیر اور وہی نشانہ ہنوز
دلِ حق بیں کو سلطنت کا سرور ۔۔۔ وہی تسکین عابدانہ ہنوز
چشمِ مشتاق کا عروج وہی ۔۔۔ اور وہی جوش عارفانہ ہنوز
وہی عہدِ الست پیشِ نظر ۔۔۔ مستیٔ بادۂ شبانہ ہنوز
ہست مجلس براں قرار کہ بود ۔۔۔ ہست مطرب براں ترانہ ہنوز

۱۳۶۲ کچھ دل ایسے ہیں کہ ہے جنمیں مضامیں کا جوش ۔۔۔ کچھ زبانیں ہیں دکھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوق طاعت کا مگر دل میں نہیں ہے پیدا ۔۔۔ نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں نہ آمین کا جوش

۱۳۶۳ لغزشیں مدِ ظرافت میں جو کچھ آئیں نظر ۔۔۔ دوستوں سے التجا یہ ہے کریں اسکو معاف
سرد موسم تھا ہوائیں چل رہی تھیں برف بار ۔۔۔ شاہدِ معنی نے اوڑھا ہے ظرافت کا لحاف

۱۳۶۴ نیت ہو اگرچہ خیرِ ایماں کی طرف ۔۔۔ آنکھیں نہ اُٹھاؤ بزمِ عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھو گے واں پہنچکر لاحول ۔۔۔ جانا ہی ضرور کیا ہے شیطان کی طرف

۱۳۶۵ بے گزٹ ہو کے جو رہیئے تو محلے میں حقیر ۔۔۔ با گزٹ ہو کے جو چلیئے تو فرشتوں میں خفیف

کیسے چکر میں بزرگوں کو پھنسا رکھا ہے / حضرتِ پیرِ فلک بھی ہیں عجب ذات شریف

۱۴۶۶ قرآن رہے پیش نظر یہ ہے شریعت / اللہ رہے پیش نظر یہ ہے تصوّف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو / عامل نہ ہے اُسکے سے ہی کا ہے تاسف

۱۴۶۷ اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظِ طریقت / دنیائے دوں سے رکھوں میں کسقدر تعلّق
اُسنے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھکو / انگریز کو ہے ہیٹو سے جس قدر تعلّق

۱۴۶۸ ترقی خواہ ہو تو صحن مسجد چھوڑ اے اکبر / کہا اُسنے ترقی ہو تو خود پہنچے گی مسجد تک
نو و نہ نام اِدھر ننانوے کا پھیر اُدھر یعنے / انھیں نتو تک پہنچنا ہے مجھے اللہ واحد تک

۱۴۶۹ گوکہ دونوں ہی نظر آتے ہیں نیک / ایک ظاہر ایک ہیں باطن کی ٹیک
میں نے پوچھا ایک و راک کیونکر ہوئے / دے جواب اسکا تمھاری طبع نیک
بے تکلّف کہدیا مُلّا نے دو / حضرتِ صوفی یہ بولے پھر بھی ایک

۱۴۷۰ سامانِ عیش کچھ نہ رہا اُڑ رہی ہے خاک / اس غم میں اپنی جان مگر کیوں کروں ہلاک
میں نے تو جل کے کہدیا اس سال جون میں / ٹٹی اگر نہیں نہ ہو خس کم جہان پاک

۱۴۷۱ ہ سے ہندو م سے مسلم یہ دونو ملکے ہم / سر پہ انگریزی اَ اُس سے ہوئی حالت اہم
ہے اَ ہم سے جدا لیکن محافظ اور معین / اسکے سائے میں ہیں ہم تا شامل ہوں ہم

۱۴۷۲ دوست کیونکر ہوں نہ ہوں جب ہم خیال و ہم مذاق / لیکن اسکا یہ اثر کیوں ہو کہ ہوں دشمن بہم
اپنا اپنا وقت ہے موقعہ ہے اور میلان طبع / آپ اپنے شغل میں رہیے اور اپنی دھن میں ہم

۱۴۷۳ بندوں کے فہم و زور کی اک حد ہے وہ بھی ہیچ / کرتا ہے خود وہ اپنی خدائی کا انتظام
اِن ممبروں میں کوئی کدورت نہ ہو بہم / آپس میں بھی کریں یہ صفائی کا انتظام

۱۴۷۴ خبر کیا انقلاب دہر کی ان نوجوانوں کو / نئی حالت نئی آنکھیں نئے انکے ترانے ہیں

بڑی عمریں ہیں جنکی آئینے سینے حالِ دنیا کا — نگاہوں میں نہ مانے ہیں زبانوں پر فسانے ہیں

۱۴۷۵ گوشۂ صبر و قناعت ہی میں اب محفوظ ہوں — شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں
گو حریفوں کی نظر میں رنگ پھیکا ہو مرا — نرگسِ مستانۂ ساقی کا ہیں ملحوظ ہوں

۱۴۷۶ پاس کالج کے جو ہیں ووٹ طلب کرتے ہیں — پاس مسجد کے جو ہیں طاعت رب کرتے ہیں
عشوہ ہائے عجمی کے وہ ہوئے ہیں کشتہ — یہ رخِ سادگیٔ طرزِ عرب کرتے ہیں
ان کو ہے لمینیڈ و وسکی کی ضرورت اور یہ — رفع پانی سے فقط خشکیٔ لب کرتے ہیں
پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے جوڑیں رشتہ — یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظِ نسب کرتے ہیں
وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں — وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

۱۴۷۷ تعلیم یافتہ ہوں اور نیک بخت بھی ہوں — تم سے رہیں مگر تم شیطان پہ سخت بھی ہوں
قرآن ہی کرے گا اُن بی بیوں کو پیدا — پاکیزہ تخم جب ہوں عمدہ درخت بھی ہوں

۱۴۷۸ چرخ نے پیش کمیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اسکی زندگی اخبار میں
شوہر افسر وہ بڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں — بی بیاں اسکول میں ہیں شیخ جی بازار میں

۱۴۷۹ ہر خاک کے پتلے کو ابھارا ہے فلک نے — یکتائی کے اظہار میں مست اہلِ زمیں ہیں
ہر اک کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم بھی ہیں کوئی چیز — اور سبکو یہ ہے ناز کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں

۱۴۸۰ میرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ آپ خوش ہیں
مگر میں سمجھا ہوا ہوں اسکو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

جو دیکھا [illegible] [illegible] [illegible] راگ [illegible] اور
[illegible] ہوئے ہیں [illegible] تمہارے [illegible] ہیں یا آپ خوش ہیں

۱۴۸۳ عالم دل [illegible] ہے [illegible] شیر والیاں — میں لگاؤں باغ کل داغ جگر کی ڈالیاں

ضبط کیجے جائے کیسے بجنے ٹوٹتے ہیں دوستو — ہائے یہ بلبلیں کشیدہ اور ایسی جالیاں
حور مستقبل پری ماضی مگر یہ حال ہیں — ذوق و فردا کیا کروں پاؤں جو یہ خوش حالیاں
آسماں سے کیا غرض جب ہے زمیں پر یہ چمک — ماہ و انجم سے ہیں بڑھکر انکے بندے بالیاں
قول وہ سچی ہیں مجھکو نہیں سمجھا ہوں بھول — ہیں گل رنگیں سے بہتر ان گلوں کی گالیاں

کچھ سمجھ میں نہیں آتا یہ طلسم ہستی — اسکی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہوتے ہیں ۱۴۸۴
جان جب خاک میں ملتی ہے تو ہوتی ہے خوشی — خاک جب خاک میں ملتی ہے تو سب روتے ہیں

مجھکو حیرت ہے کہ ہیں یہ کس گرو کی چیلیاں — حشر برپا کر رہی ہیں مغربی البیلیاں ۱۴۸۵
لطف آزادی کی دل میں بڑھ گئی ہے چاشنی — اب تو شیشے میں اترنے کی نہیں یہ چیلیاں
اپنے ہاتھوں اپنے سانچے کا کریں گی بندوبست — یہ نہیں وہ گڑ کہ تم ان کی بناؤ بھیلیاں[1]

کچھ غرض اس سے ہے احباب اس شک میں ہیں — بس یہی ہے شوق کہ پبلک کی جھکا جھک میں رہیں ۱۴۸۶
نہیں منظور نماز میں گذریں راتیں — ہاں کمیٹی ہو تو الجھے ہوے بک بک میں رہیں
نغمۂ مرغ سحر سے نہیں انجن کو غرض — پیٹ انگاروں سے بھر لیجیے بھک بھک میں رہیں

پایا جب کمپ کے چکر میں انھیں سب کا شریک — رشک جاتا رہا اسپر کہ بڑے عالم ہیں ۱۴۸۸
صبر و آزادی و طاعت کے مزے لو اکبر — انکی راہوں پہ انھیں چھوڑ دو جو حاکم ہیں

ہمکو نئی روش کے حلقے جکڑ رہے ہیں — باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں ۱۴۸۹
ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے یا تنزل — گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کر دو تو نہیں ٹوٹیں — بخیے جو فطرتی تھے وہ اب ادھڑ رہے ہیں
سطح زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اسکو — نظروں میں پھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں باتیں اور بھرتے ہیں شکم بھی — لیکن امید کیا ہو جب دل اجڑ رہے ہیں

[1] بہ ضرورت قافیہ

یہ زیورِ معانی کسکی کریں گے زینت ۔۔۔ لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

۱۴۹۰ ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں ۔۔۔ میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں انکو ۔۔۔ دعا منھ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

۱۴۹۱ سکھاتے ہیں جو اغیار اُسی کے دل سے شیدا ہیں ۔۔۔ نہ جانا یہ کہ ہم کیا ہیں یہی سمجھے کہ وہ کیا ہیں
خرابی بے اصولی تفرقہ ۔ اسکا نتیجہ ہے ۔۔۔ تماشائی ہیں وہ ۔ اُنکے لیئے ہم اک تماشا ہیں

۱۴۹۲ ہماری حالت کو کچھ نہ پوچھو ۔۔۔ فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن
پچھاڑیں کھاتے ہیں ہوٹتے ہیں پکڑتے ہیں شیخ جی کا دامن ۔۔۔ مگر مشینیں جو چل رہی ہیں انھیں میں اُلجھے گھسٹ رہے ہیں

۱۴۹۳ وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور ۔۔۔ بھینس کو گون پہنا دیجئے عاشق ہو جائیں

۱۴۹۴ طعنے سنتے ہیں مگر شعر کہے جاتے ہیں ۔۔۔ داد کے شوق ہیں بیداد سہے جاتے ہیں
رزولیوشن ہی کے تختے کا سہارا ہے فقط ۔۔۔ بحرِ تدبیر ترقی ہیں بہے جاتے ہیں
ملک الموت نے نوٹس نہ دیا تھا افسوس ۔۔۔ اس کمیٹی کے بہت کام رہے جاتے ہیں
آپ فرماتے ہیں ہو بھر ترقی کی ہوا ۔۔۔ موجیں کہتی ہیں کہ یہ خود ہی بہے جاتے ہیں

۱۴۹۵ گرجا میں ٹٹ صفا مسجد میں شیخ صاحب ۔۔۔ بدھو غلا اسوفی کے کمرے میں مٹر رہے ہیں
خاک اُڑ رہی ہے گھر میں بوڑھی میں غل مچا ہے ۔۔۔ نہ سمجھے ہیں مخالف بھائی سے لڑ رہے ہیں

۱۴۹۶ تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر ۔۔۔ خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
ذی علم متقی ہوں جو ہوں اُنکے منتظم ۔۔۔ اُستاد اچھے ہوں مگر اُستاد جی نہ ہوں

۱۴۹۷ یہ لیڈر سا خود ہی مضطر ہیں مگر عشوے دکھاتے ہیں ۔۔۔ جو شخصی زندگی ہے اسکو یہ قومی بتاتے ہیں
بجز الفاظ کے حاوی نہیں کُلّی پہ کام اُنکے ۔۔۔ یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کُلّی کا سناتے ہیں

۱۴۹۸ اللہ نے کہا ہے تم زیرِ امتحاں ہو ۔۔۔ ہم جانتے ہیں بس ہم دنیا کے ممتحن ہیں

خود نفس کے ہیں تابع تقویٰ سے ہیں بے تعلق — اوروں پہ نکتہ چینی میں غرق رات دن ہیں

۱۴۹۹ خانہ جنگی ہی میں حضرت مرد ہیں — عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو — سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں

۱۵۰۰ اُدھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ سرِ بازار آئیں — اُدھر خواتینِ خلوت آرا ہنوز ستائی پیچ میں ہیں
مگر یہ قیدِ حرم کہاں تک حجاب کے دن نقاب کب تک — کہ گبر و ترسا کی لیڈیاں بھی شریکِ واعظ کی فوج میں ہیں

۱۵۰۱ سوئے مسجد اس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں — تھینک یو میں صرف ہیں الحمد للہ اب کہاں
ہم غریبوں ہی کو لازم ہے توجہ اس طرف — التفاتِ صاحبانِ شوکت و جاہ اب کہاں
بزم آخر میں اب ہیں جو تھے درویش دوست — شوق ہے دربار کا وہ ذوقِ درگاہ اب کہاں

۱۵۰۲ مرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں — جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں بُرے جو ہیں وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جن کی خالق سے — نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست بس وہ طاہر ہیں

۱۵۰۳ اللہ کو جگہ دے تو اپنے دل میں اکبر — اللہ خود ہی دیگا تجھکو جگہ دلوں میں
اللہ ہی کو سمجھو مقصودِ علم و دانش — اللہ ہی کو چاہو ہستی کی منزلوں میں
خوف و رجا سے دیکھو ہر دم اسی کی جانب — فطرت کے منظروں میں طاعت کے سلسلوں میں
کرتے ہو ساتھ ادب کے جب ذکر تم خدا کا — ہوتے ہیں خوش ملائک بھی اپنی محفلوں میں
جو دین کے ہیں عالم راہِ خدا کے ہادی — تم سمجھو خود کو ناقص بس وہ ہیں کاملوں میں
مسلم شریکِ ملت ہو بھی جو لغزشوں میں — کم وقت اپنا کاٹو طعنوں میں اور گِلوں میں
شامل تمہاری صف میں طاقت ہے وہ تمہاری — کافی ہے یہ نہیں ہے وہ حق کے مبطلوں میں
رُحَمَآءُ بَیْنَہُم پر رکھو نظر ہمیشہ — ہمدرد یہ طریقہ ہے سخت مشکلوں میں
ہنگامہ جو ہے شوقِ اعزاز و فکرِ روزی — کوشش کرو مگر تم شامل ہو عاقلوں میں

اک بات تجھ کو [illegible] وقت وہ ہے — تم بھی ہو جیسے ہم بھی ہیں مسلموں میں

۱۵۰۴ اک طرف تمکین ہے اور بیقراری ایک طرف — انتظام طبع انساں ہے خدا کے ہاتھ میں
ہیں وہی دیوار میں بھی [illegible] میں جو ہے — بتوں کے پیچھے ہیں وہ ہیں ہوا کے ہاتھ میں

۱۵۰۵ بیجا ہوا اعتراض تو اس پر بھی ہیں خموش — گو دل ہی دل میں غصے سے جھنجھلا رہے ہیں
کہتے ہیں خوب حضرت اکبر نے سچ نہیں کیا — لیکن میں دیکھتا ہوں کہ یہ بھی خوب ہیں

۱۵۰۶ آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے — مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے — لیکن چھٹا ہے وہ ہی راہ باٹ میں

۱۵۰۸ خانقاہوں کے کھلیں در کس طرح — ہیں گرو اب تنگ اپنی چول میں
حکم گردوں ہے کہ حلقے چھوڑ دو — یا پریس میں جاؤ یا اسکول میں

۱۵۰۹ گردوں نے ہمکو اسکا لقمہ بنا دیا ہے — تہذیب مغربی کے منہ میں ہم پڑے ہیں
شخصیتیں جو اکثر تم دیکھتے ہو باقی — [illegible] ہو سہاری لقمے بڑے بڑے ہیں
اللہ نے جو چاہا ہم ہضم ہی نہوں گے — توحید اور قناعت کے پاسباں کھڑے ہیں
البتہ انکی نسبت کچھ رائے میں نہ دونگا — جو آس خون ملنے کی آس پر اڑے ہیں

مناسب ہے نئی تعلیم نسواں — یہی راہ آپ اب بے روک کر لیں
سمجھ لیں لاکھ باتوں کی ہے اک بات — میاں بدلے تو بی بی کیوں نہ بدلیں

۱۵۱۱ کفر پہ غصہ نہیں فطرت پہ کچھ حیرت نہیں — خانہ جنگی کے سوا بس اور کچھ رغبت نہیں
قوت انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور — کیا کریں زور قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

۱۵۱۲ سنیں تو آپ قناعت کے غل مچانے کو — وہ کہہ رہی ہے نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمھاری حرص [illegible] لیکن تمھیں کریگی ہلاک — ہمارا صبر بدل دیگا اس زمانے کو

۱۵۱۳ دنیا کو نہ کاغذِ خبر میں دیکھو … اپنے فردوس اپنے گھر میں دیکھو
الفاظ کی شوکت و نزاکت پہ نہ جاؤ … قائل کو تو قول کے اثر میں دیکھو

۱۵۱۴ اپنی محنت کو اپنا آقا سمجھو … اپنے پاؤں کو اپنا موٹر سمجھو
صحت اچھی تو ہر جگہ ہے آرام … اپنے ہی بدن کو اپنا گھر سمجھو
اے بی بی شرم ہی کو تم سمجھو حسن … اور اپنے ہنر کو اپنا زیور سمجھو
بی بی میں جو طرزِ مغربی ہو تو کہو … احسان ہے یہ جو مجھ کو شوہر سمجھو
دست اندازی پولس کی ہو جس میں روا … ہرگز نہ اسے کلامِ اکبر سمجھو

۱۵۱۵ کون کہتا ہے کہ تعلیمِ زناں خوب نہیں … ایک ہی بات فقط کہنا ہے یاں حکمت کو
دو اسے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم … قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

۱۵۱۶ سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھو … مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو
ہے بحرِ مباحث میں رواں کشتیِ امید … لہروں کی لچک دیکھ لو ساحل کی نہ پوچھو

۱۵۱۷ منزلِ گور تک پہنچنا ہے … خواہ چھکڑا ہو خواہ موٹر ہو

۱۵۱۸ زمیں کے فیضِ نامحدود کا کیونکر تحمل ہو … ترقی دنیوی یہ ہے کہ اوروں کو تنزل ہو
یہی بنیاد ہے دنیا میں جور و ظلم و غفلت کی … تو اس سے محترز رہتے ہیں کیوں جن کو تامل ہو
طلب دنیا کی کر اتنی کہ طاعت ہو سکے رب کی … مصیبت ہے یہ شرط اس میں کہ شوکت ہو تجمل ہو
حکومت کی طلب کا بھی یہی مقصود ہے اصلی … کہ روحانی ترقی میں خلائق کو توسل ہو
ترقی ہے جو روحانی وہی ممدوح ہے اکبر … کہ ہو ہر فرد کو آسودگی و شرکتِ کل ہو

۱۵۱۹ وطن نامحدود ہے ان کی نظر میں خوب ہے … [illegible]
دینِ حق ہے آنکھ زینت ہے تماشائے جہاں … [illegible]

۱۰۲۰ خواہ صاحب کو تم سلام کرو — خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے — جسمیں روپیہ ملے وہ کام کرو

۱۰۲۳ پڑھ دیا اکبرِ مغموم نے یہ شعرِ بلیغ — جب کہا اُس سے کہ اس بزم میں کچھ تم بھی کہو
چین کے ساتھ ہم اسوقت بھی رہ سکتے ہیں — شرط یہ ہے کہ فقط پیٹ ہو اور آنکھ نہ ہو

۱۰۲۴ اک دل لگی ہے وقت گذرنے کے واسطے — دیکھو تو ممبروں کے ذرا ایر پھیر کو
ایسی کمیٹیوں سے ہے پھل کا امیدوار — اکبر درخت سمجھا ہے پتّوں کے ڈھیر کو

۱۰۲۵ مذہب کی لیپ پوت سے دیتی نہیں ہے عقل — بس عشق تو ہی مٹاتا ہے اس کی کرید کو
دینِ خدا کے نور کا جلوہ نصیب ہو — دل کی نگاہ پائے جو وحدت کے بھید کو

۱۰۲۶ رنگِ زمانہ طرزِ طبائع کا بھی ہے پاس — تقویٰ کا گو خیال بہت ہے جناب کو
مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی — اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

۱۰۲۹ اِسکو سنتا ہوں اُس پہ جھکتا ہوں — کوئی دعوے ہو یا کوئی درگاہ
ایک اور اِک دو مگر زبان پہ ہے — دل میں ہے لا اِلٰہ اِلا اللہ

۱۰۳۰ لباس و اتحاد و دین و غیرت ایک تھے ہیں — نئی تہذیب کا یہ پیٹ ہے یا رب کہ مٹکا ہے

۱۰۳۱ پڑے اُس جا جہاں تاثیر لت جا نہیں سکتی — بسے اُس جا کہ آوازِ اذاں بھی آ نہیں سکتی
تمھیں کو نا ہو لے نوجوانو اس طریقے پہ — مری امید تو نغمہ خوشی کا گا نہیں سکتی

۱۰۳۲ انساں کا علم کامل سابق میں تھا نہ اب ہے — لیکن نئی طرح کا اِک تجربہ رہا ہے
مرزا غریب چھپ ہیں اُنکی کتاب ڈی — مُدّعو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

۱۰۳۳ محوِ اضافۂ رہ ثبت کھسوٹ پرست ہے — کہتا ہے آخرت کا یہی بندوبست ہے
اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں — اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

۱۵۳۵ نئی تہذیب کی عورت ہیں کہاں دین کی قید — بے حجابی جو ہوا ہیں تو قباحت کیا ہے
نورِ اسلام نے سمجھا تھا مناسب پردہ — شمعِ خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے

۱۵۳۶ جناب ہی کو مناسب ہے یہ سوال اے من — نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے
زمانہ ہے کہ وہ دشمن ہے صاف گوئی کا — زبان ہے کہ نہیں مانتی مصیبت ہے

۱۵۳۷ مرغی نے کہا خوب کسی کیمپ میں لٹ کے — انڈا وہی اچھا ہے کہ بچا جسے کھٹ کے
دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی — گردوں کی عنایت سے سڑک بنگئی کٹ کے

۱۵۳۸ کیوں اپنے سر یہ زحمت بے سود لیجئے — کونسل کے بدلے گھر میں اپل کو دیجئے
کھاپی کے گھر میں بیٹھئے اور گائیے بھجن — کاشی سے چل پراگ سے امرود لیجئے
ہو وضع اپنے دیس کی مال اپنے دیس کا — بہتر ہے راہِ منزلِ بہبود لیجئے

۱۵۴۰ بھولے کوچۂ مشرق کی مگر جیں یاد ہیں ہمکو — وہی تھی منزلِ راحت وہی رفتار اچھی تھی
نئی محفل کی نکستائی تو گویا طوق گردن ہے — وہی بتخانہ بہتر تھا وہی زنار اچھی تھی

۱۵۴۱ شوخی یہ لیڈروں کی یہ ملت کی ابتری — تاریک شب میں کشمکشِ برق و ابر ہے
محفوظ مثلِ انجمِ تاباں ہیں وہ بزرگ — ذوقِ صلوٰۃ جن کو ہے اور تابِ صبر ہے

۱۵۴۳ ہر چند کہ ہے مس کا لونڈر بھی بہت خوب — بیگم کا مگر عطرِ حنا اور ہی کچھ ہے
سا ئی کی بھی سن سن ہوس انگیز ہے لیکن — اُس شوخ کے گھونگرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

۱۵۴۴ ان عزیزوں کا عمل اکبر محلِ غور ہے — کہہ رہے کچھ اور ہیں اور ہو رہا کچھ اور ہے
افسوس حالت یہ ہے انکا مدارِ زندگی — مذہبی ترکیب باقی ہے نہ سوشل طور ہے
قسمت کو تر سے بڑھکے دیتے ہیں حقے کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

۱۵۴۵ دل اسکے ساتھ ہے کہ خدا جسکے ساتھ ہے — لیکن خبر نہیں کہ خدا کسکے ساتھ ہے

البتہ پیش چشم ہے قانون عافیت — جو نیک اور شریف ہیں وہ اسکے ساتھ ہیں

۱۵۴۷ دل کا آنا ہی دل کا پانی ہے — آب و دانے کی حکمرانی ہے

اِک ادا سے کہا مس نے کم آن — تیری مجھ میں اب روانی ہے

۱۵۴۸ مشرق میں ولادت پر راضی نہ تھے یہ بندے — چارا ہی مگر کیا تھا فطرت جو یہاں جن دے

جب چاند کی چالاکی گھٹ بڑھ میں نظر آئی — تقدیر نے چمکایا سورج نے دیئے چندے

جو جسکے مناسب تھا گردوں نے کیا پیدا — یاروں کیلئے عہدے چڑیوں کے لئے پھندے

خم ہو کے ہلال آیا گردوں نے کہا حضرت — ہو جائیے گا فربہ جھکئے تو لگیں چندے

۱۵۴۹ میزانِ نظر میں اپنی قوت تو لے — خالی الفاظ کی دکاں کیوں کھولے

اللہ کو مان لے دلیلیں کیسی — اکبر سے کہو کہ خود تو ثابت ہو لے

۱۵۵۰ حکومت انکی اسی کی مرضی انہی کے سب کام اور دھندے — کہاں کے انگلش کہاں کے نیٹو خدا کی دنیا خدا کے بندے

۱۵۵۱ عجیب معنیٰ نازک ہیں اس مقولے میں — نظر وسیع جو ہو بندگی میں شاہی ہے

خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم — خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی ہے

۱۵۵۲ واقف ہوں ان بتوں کے مکر و فریب سے میں — سب ہیچ دل کے پتھر اور آنکھ کے رسیلے

۱۵۵۳ یہ سڑک کس سمت میں آخر نکالی جائے گی — آنیوالی نسل کس سانچے میں ڈھالی جائیگی

نفس کی جو ہیں امنگیں انمیں ہے گو ایک جوش — تا کجا لیکن یہ موج خوش مقالی جائیگی

جھاڑ کر دامن الگ ہو جائیں خاصان طریق — ورنہ یہ توفیق بھی دل سے اٹھا لی جائیگی

خود پرستوں کو مبارک ہو یہ ایوان رفیع — دل شکستو نہیں کوئی مسجد بنا لی جائیگی

ان ستونوں سے نہ سنبھلے گی تری سقف حرم — خطے ترسا پر اگر بنیاد ڈالی جائیگی

۱۵۵۴ میری نسبت جو ہوا ارشاد وہ میں نے سنا — یہ تو کہئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

۱۵۵۵ اے شوقِ وضعِ مغربی در ما فگندی ابتری ہر چند شفقت می کنم لیکن تو زاں بالاتری
شیخم شہیدِ جلوہ ہا افتادہ در کمپِ شما باشد کہ از بہرِ خدا سوئے شہیدان بنگری
سحر نگاہت نازِ من مرکوز طبعت رازِ من ہر نغمہ ات بر سازِ من حقا عجائب لبری
تو سینہ گشتی دل شدم تو سحر شدی بیول شدم تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
ہر چند با تو بستہ ام از طعن اکبر خستہ ام للہ الحمد لطفے خاص کن پیدا بحق بیچری
آن را کہ تاجر دیدہ تازی از و بشنیدہ شد نوکری فنِ پدر آرد و زبانِ مادری
اے بانوئے خلوت نشیں تا کے بہ قیدِ آن و ایں از پردہ بیروں آ ببیں نازِ زنانِ لشکری

—×—

۱۵۵۶ اعزاز بڑھ گیا ہے آرام گھٹ گیا ہے خدمت میں ہے وہ لیڈی و رناچنے کو ریڈی
تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

—×—

۱۵۵۸ آپ اکبر لاکھ مشق خوش کلامی کیجئے کتنا ہی اظہار اعزازِ دوامی کیجئے
دوستی کی آپ سے فرصت نہیں اس شوخ کو یا کھسکئے سامنے سے یا غلامی کیجئے

—×—

۱۵۵۹ کہاں ہم میں جماعت اور طاعت شکستہ ہو گئے سابق کے رشتے

—×—

نہیں ہے کچھ شکایت لیڈروں کی کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے
۱۵۶۰ کل برگد تھا جن کا براتی اُنکی قبر پہ پھول نہ پاتی
عبرت ہے یہ دوہا گاتی شتر پوت بہتر ناتی

—×—

۱۵۶۱ ہندو کے اتفاق کو گنگا ہی گائے ہے مرزا کے اتفاق کو مجلس کی رائے ہے
البتہ شیخ جی کا کوئی مرکز اب نہیں ہر پیر ہر جواں کی جدا اگانہ رائے ہے

—×—

۱۵۶۲ لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد میں پھنسے فائدہ کیا خلق کو پہونچا در اسلام سے
انتظامِ دہر کہتا ہے کہ یہ اک بھید ہے کام رکھ تو اپنے دل میں بس خدا کے نام سے

۱۵۶۳ تصویر اصل سے نہیں رکھتی مطابقت — تصویر اُدھر کھنچی اور اِدھر ہم بدل گئے
تصویر بیں کی فانی و ماضی پہ ہے نگاہ — ذرات جسم حال کے سانچے میں ڈھل گئے

۱۵۶۴ جو پوچھا مجھ سے دور چرخ نے کیا تو مسلمان ہے — میں گھبرایا کہ اس دَور آفت میں کیا مرا ایماں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہری کرے مجھ سے — اگر انکار کرتا ہوں تو خوف قہر یزداں ہے
بالآخر کہدیا میں نے کہ گو مسلم تو ہی بندہ — ولیکن مولوی ہرگز نہیں ہوں خانساماں ہے

۱۵۶۵ سکہ بٹھا رہا تھا قرآن جب عرب پر — اُسوقت پڑ رہی تھی بنیاد سلطنت کی
اِس وقت میں ہو موزوں کیا مذہبی ترانہ — جب پانوں شیخ کا ہو اور لَے ہو انگلی گت کی

۱۵۶۶ میرے فراغ دل پہ تعجب نہ کیجئے — پھیلے نہ پانوں ہیں نہ دراز اپنا ہاتھ ہے
کیا آپ نے ہنوز کسی سے سُنا نہیں — جسنے کیا ہو صبر خدا اُسکے ساتھ ہے

۱۵۶۷ وجد میں لائیگا یہ مضمون اہلِ ذوق کو — دھوم تھی روزِ ازل اُس سیدِ ذیجاہ کی
جب رُکے آثارِ فطرت کہکے حرفِ لا الٰہ — نورِ احمد سے اُٹھی آواز الّا اللّٰہ کی

۱۵۶۸ عشاق کو بھی مالِ تجارت سمجھ لیا — اِس قہر کو بلا حظہ لِلّٰہ تو کیجئے
بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں — کہتے ہیں فیس دیجئے اور آہ کیجئے

۱۵۶۹ ہستی ہی خوب اکبر نا خوب یہ خودی ہے — دونوں میں فرق کرنا عرفان بس یہی ہے
نفی خودی میں لیکن ہستی کا حس ہو جسکو — کتنی قوی بہ ظاہر یہ بحث فلسفی ہے
کیونکر جہان صورت اِس مسئلے کو سمجھے — یہ عالم معانی بالائے زندگی ہے
ہوش و حواس گم ہیں لیکن زبان عارف — توحید کا ترانہ لفظوں میں لے رہی ہے

۱۵۷۰ یہی بحثیں ہیں سب میں وہ کیسے ہیں وہ کیسے تھے — یہی سُنتے ہوئے گذری وہ ایسے ہیں وہ ایسے تھے
عمل اوروں ہی کے دیکھا کئے یہ نیک تھے بد ہیں — ترقی خود نہ کی کچھ رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

۱۵۷۱ پاسِ انفاس ہو اگر ملحوظ — ہر نفس راہ کامرانی ہے
سانس لینے کا ورنہ کیا حاصل — صرف اِک شغلِ زندگانی ہے

۱۵۷۴ عاشقی تم انکی نہیں ہی عقل سے بالکل جُدا — اہلِ دل وہ بھی ہیں لیکن دل بدن کے ساتھ ہی
وہ نہیں ہیں میرے چاکِ جیب و داماں میں شریک — ہی جنوں انکو بھی لیکن پیرہن کے ساتھ ہی
آہوئے رعنا دشت ہو کے وہ قائل نہیں — آنکھ انکی آہوئے دشتِ ختن کے ساتھ ہی
مجھکو اُلجھانے کو کافی ہو گئی سنبل کی شان — جوشِ سودا انکا زلفِ پُرشکن کے ساتھ ہی
یہ نہیں تو کچھ نہیں باتیں ہی باتیں ہیں فقط — ہر زباں اپنے جدا طرزِ سخن کے ساتھ ہی

۱۵۷۵ جسنے یہ بات کسی اور طرح جانی ہے — اُسکے نزدیک یہ بے مثل ہی لاثانی ہے
جسنے اشعار ہی میں رنگِ تصوف دیکھا — وہ بھی کہدیگا یہ اک زندگی روحانی ہے

۱۵۷۶ بس اتنی بات ہو سامع میں ہو مذاقِ سخن — مجال کیا کہ مرے شعر پہ اچھل نہ پڑے
اب اپنے وعظ میں دنیا سے دل کسی کا نہ پھیر — قُلی گدام کی بھرتی میں تا خلل نہ پڑے

۱۵۷۸ خوب اِک ناصحِ مشفق نے یہ ارشاد کیا — بزم میں اُسنے تعلّی جو کل اکبر کی سُنی
نہ تری فوج نہ شاگرد نہ پیر و نہ مرید — نہ تو ارجن ہی نہ سقراط رشی ہی نہ مُنی
کس نگینے پہ ہیں ترے نقش کے آثار عیاں — نوٹ بک تیری شکستہ تری پنسل ہی گھنی
فکر سے ذکر سے عبرت سے تجھے کام نہیں — واہ واہ کیلئے لفظوں کی دکاں تونے چنی
طبع میں تیری رہی غالب حرصِ دنیا — آتشِ خوفِ خدا سے نہ جلی ہے نہ بھُنی
خود پرستی ہی بہت خلق کی خدمت کم ہی — دل دہی کم ہی تو ہے دل شکنی چار گنی
تکیہ بر جائے بزرگاں نتواں زد بگزاف — مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کنی

۱۵۸۰ کتنا ہی ذوقِ سخن سازِ سخن ٹھیک کرے — کتنی ہی کوئی کسی امر کی تحریک کرے

میں تو کہتا ہوں یہی اور کہونگا بھی یہی — بات وہ خوب جو اللہ سے نزدیک کرے

۱۵۸۱ کب کہتا ہوں میں شیخ معزز نہ رہیں گے — البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے
سچ کہتا تھا معمار کسی وقت میں اکبر — اُٹھا دو فتنہ اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

۱۵۸۱ مادّہ سب میں ہے تو اِک خیالِ خام ہے — اک مذاقِ طبع ہے جس کا تصوف نام ہے
وہ تو ہے معذور جسکے دل میں اُسکا ذوق ہو — اس سے خالی جسکا دل ہو اُسپہ کیا الزام ہے

۱۵۸۳ تعلیموں کو طبیعت رجکٹ[۵۱] کرتی ہے — جو دل شکستہ ہیں اُن کو سلکٹ[۵۲] کرتی ہے
ملا ہوں خاک میں خود اس سبب سے میری نظر — گرا کے قصر نئے اِرکٹ[۵۳] کرتی ہے

۱۵۸۴ محنت کی فکر ادھر ہے تردد ہے کام کا — دل میں اُدھر ترنگ بھی ہے خودسری بھی ہے
صنعت بھی محوِ سعی ہے فطرت بھی مستِ ناز — باغِ جہاں میں بلبل بھی ہے تیتری بھی ہے

۱۵۸۶ کہاں اُردو و ہندی میں زرِ نقد — وہی اچھا ہے جو گنتا منی ہے
مرے نزدیک تو بے سود یہ بحث — میاں ہمدم[۵۴] و چنتامنی[۵۵] ہے

۱۵۸۹ حامی میں تصوف کا دل و جاں سے ہوں لیکن — ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے
دنیا کی مجھے فکر ہے غم اسکا نہیں ہے — سُن لو کہ تردد کو تاسّف نہیں کہتے
پاکیزہ ہوا ڈھونڈتا ہوں سانس کی خاطر — اس شوقِ صفائی کو تکلّف نہیں کہتے

۱۵۹۱ پارک میں زردے کے مالی سے گُلِ بے بو لیا — مال ضایع کرنے کا تمکو ہے مالیخولیا
شیخ کے دامن کو اکبر نے دیا بوسا جو کل — ہمنے برکت کیلئے اِک مِس کا سایا چھو لیا

۱۵۹۲ قوم پر ممبری کا فیر ہوا — کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا
شیخ جی مر گئے کمیٹی میں — غُل مچا خاتمہ بخیر ہوا

۱۵۹ اِک سر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا — ایک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

۵۱ رد کرنا ۵۲ منتخب کرنا ۵۳ تعمیر کرنا ۵۴ نام اخبار ۵۵ اڈیٹر لیڈر۔

پتلوں میں وہ تن گیا یہ سائے میں پھیلی — پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اتارا
کچھ جوڑ تو انمیں کے ہوئے بال میں نقصان — باقی جو تھے گھر انکا تھا افلاس کا مارا
پھر آ وہ بنا کیپ میں یہ بن گئیں آیا — بی بی نہ رہیں جب تو میاں بن بھی سدھارا
دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ — آغاز سے بدتر ہے سر انجام ہمارا

۱۵۹۷ اگرچہ ہے ذوق تمکنت کا لحاظ رکھتا ہوں سلطنت کا
خدا نے قائم کیے ہیں درجے خیال ہے حد منزلت کا
زباں کھولوں تو سوچ لوں گا کہ دل کہاں تک ہے اسکا ساتھی
قدم بڑھاؤں تو دیکھ لوں گا جو منتہا ہے مری سکت کا
میں کب ہوں نغمات دل سے غافل نہیں ہوں سازوں پہ پھر بھی مائل
بُرا جو کھنچ جائے گا کوئی سُر تو لطف جاتا رہے گا گت کا
وہ قوم کی شرط ہی نہیں ہے زباں کہیں ہے مکاں کہیں ہے
ستون ہی جب نہیں میسر تو کیا دکھاؤں میں ٹھاٹھ چھت کا

۱۵۹۸ سنوارے خود آپ ہی نے پُتلے اور اُن میں کنجی لگائی غربی
لگے وہ جب ناچنے اُچھلنے کسی کو پھینکا کسی کو پٹکا

(ایک صاحب نے فرمائش کی تھی مگر بعد ملاحظہ خاموش رہے)

۱۵۹۹ کیوں نہ اپنے دل کو ہو اُن سے ملاپ — لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
اُنکے حق میں بھی دعا کرتے ہیں ہم — مندروں میں جب کبھی کرتے ہیں جاپ
اُن کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں — خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرف ساماں ہیں آرام کے — گھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شاپ

ہوگئے روشن حدودِ آسماں — علم چمکا ہوگئی تاروں کی ناپ
ساری دھرتی دب گئی سائنس سے — لگ گئے پائپ گیا دنیا سے پاپ
حضرتِ واعظ ہیں راضی رقص پر — دیر کیا ہے اب پڑے طبلے پہ تھاپ

ممبرِ لیگم صفِ مسجد مرا درکار نیست — جان بیما ہوچکا ہے حاجتِ غمخوار نیست ۱۶۰۰
ہمنشینِ من اگر شاعر نباشد گو مباش — با گزٹ کار است مارا منقبت درکار نیست

عجب بے تمیزی ہے اس دور کی — زمانے کو دیکھ اور شیو شیو پکار ۱۶۰۲
پپیہے سے کہتے ہیں اب پی کو چھوڑ — ضرورت ترقی کی ہے کیو پکار

اونٹ نے برگد میں کل گردن اٹھائی تھی ذرا — ہوچکی تھی اسکو کسرت میں اک مدت دراز ۱۶۰۴
وہ یہ سمجھا تھا مسلّم ہیں ہماری نیکیاں — خوشدلی سے آپ فرمائینگے اُسکو سرفراز
منزلِ مقصود اسکی سجدہ گاہِ خلق تھی — وہ تو تھا اک پاک کیش اور سالکِ راہِ حجاز
آپ نے ناحق سزاوارِ سزا سمجھا اُسے — آپ اُسے گردن کشی سمجھے جو تھا اک پاک ناز
یا الٰہی ہم غریبوں کا کہاں ہو اب نباہ — بدگماں اُشتر سے جب ہیں حضرتِ انجمن نواز
یورپ کو پالسی میں عجلت کی کیا ضرورت — ہے ملتوی قیامت تقسیم ایشیا تک

یکے ذی علم در اسکول روزے — فتاد از جانبِ پبلک بدستم ۱۶۰۵
بدو گفتم کہ کفری یا بلائی — کہ پیش اعتقادات تو پستم
بگفتا مسلمِ مقبول بودم — ولے یک عمر با ملحد نشستم
جمالِ نیچری در من اثر کرد — وگرنہ من ہماں شیخم کہ ہستم

نئے بزرگوں کو میں نے جانچا یہی پایا بس انکا سانچا — اگرچہ شیریں ہیں نفس بہت کم مگر سراپا وہ کیک ہی ہیں ۱۶۰۷

تو تلاوت میں بھی مصروف تو پھر کیا یہ خیال — کیوں ہے تجھ سے بتِ سرکش کو تباین بے حد ۱۶۷
کیا نہیں تو نے سنا قولِ بزرگاں کہ درست — دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآں خواند

رباعیات

کیا فرض ہے یہ کہ ہم ڈھٹائی سے رہیں / لازم کیا ہے بلند ادائی سے رہیں ۱۹۱۵
کافی ہے خدا کی یاد اک گوشے میں / روٹی مل جائے اور صفائی سے رہیں

اُس بُت نے کہا کہ تو ہے بے علم و خرد / کھول آنکھ زمانے کے موافق ہو جا ۱۹۱۶
آخر میں کھُلا کہ اُس کا مطلب یہ تھا / اللہ کو چھوڑ مجھ پہ عاشق ہو جا

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لیے / اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا ۱۹۱۷
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت / مر جاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

عالم نے یہاں قبول و رد کو جانا / دیکھا دنیا کو نیک و بد کو جانا ۱۹۱۸
عاقل وہ ہے کہ جس نے ہنگامِ عمل / اپنی قوت کو اپنی حد کو جانا

اکبر اس باب میں نہ کر فکر بہت / منطق کے گھر میں کچھ نہیں اسکا علاج ۱۹۱۹
مذہب کے قبول میں زیادہ ہیں دخیل / سوشل اثرات اور افتادِ مزاج

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد / رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد ۱۹۲۰
ہم رنگ سے ارتباط با صدق و صفا / بے میل سے احتراز بے کینہ و کد

اکبر کیلئے زبان درازی ہے بُری / روٹی نہ ملے تو غل مچانا جائز ۱۹۲۱
اسوقت ہیں بس یہی نصیحت اچھی / اس ساز پہ ہے یہی ترانا جائز

سمجھیں نہ حضور تھرڈ والوں کو حقیر / انجن تو وہی ہے جسکی ہم سب کو ہے آس ۱۹۲۲
اسٹیشن گو تنگ ہے یہ فسٹ و سکنڈ / بعد اسکے موافق عمل ہوگا کلاس

دنیا کی ہوس دھرم کا لیتی ہے جو رنگ / دقعت ہوتی ہے جاتری ہوتے ہیں تنگ ۱۹۲۳

گنگا جی کا بہاؤ تو یکساں ہے — آفت ہے مگر پراگ والوں کی یہ جنگ

مذہب کا معاشرت سے ہے ربط کمال — دونوں جو ہوں مختلف تو آرام محال ۱۶۲۶
پہلے یہ مسئلہ سمجھ لیں احباب — بعد اسکے رفارم کا کریں دل میں خیال

انداز سلف کو یک قلم بھولی قوم — ہے سالک راہ غیر معمولی قوم ۱۶۲۷
جمعیت دین و دل سے کچھ کام نہیں — قومی اسکول ہے اور اسکولی قوم

میں ہوں یا آپ جناب برہم — دنیا کی روش سے سب ہیں درہم برہم ۱۶۲۸
بے تاب ہے زخم ہائے دل سے مشرق — یارب تری رحمتیں نہیں اب مرہم

قرآن و حدیث میں ہے ڈوبا واعظ — چسپاں ہو مگر یہ اُس کا مضمون کہاں ۱۶۲۹
گھر پہلے بنا کے خانہ داری سکھلا — ثلث ہی نہیں ہے جب تو قانون کہاں

میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں — سب ہیں چمکے ہوئے ہیں لاثانی ہیں ۱۶۳۱
میں تو اتنا ہی کر رہا تھا دریافت — قومی ہیں کہ مذہبی کہ روحانی ہیں

فطری خوبی ہے مبتلا فالج میں — بلبل داخل ہے میڈیکل کالج میں ۱۶۳۲
داخل ہیں نوائے ساز کی کس کو خبر ہے — رشتہ ہر سُر کو ہے مگر خارج میں

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو ۱۶۳۴
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر — حامی نہ کسی خفیہ سازش کے رہو

ہے انکی جبیں اور بتوں کی درگاہ — ہیں شرک خفی میں مبتلا شام و پگاہ ۱۶۳۵
کسکو یہ خیال ہے کہ مومن کیلئے — قرآن میں ہے اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہ

منکر کے خیال میں پریشانی ہے — اسکا منشا فقط ہوس رانی ہے ۱۶۳۶
دنیا فانی ہے وہ بھی ہے اسکا مقر — لیکن یہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

۱۵۱ اڈیٹر مشرق

۱۶۳۹ روشن سینے میں شمع ایماں کر دے — دل تیری طرف رہے وہ ساماں کر دے
دنیا سے ہو بے خبر ترے شوق میں روح — یارب اکبر پہ زیست آساں کر دے

۱۶۴۰ اک روز بھی تارک تگ و دو نہ ہوئے — فارغ از بحث گندم و جو نہ ہوئے
جمعیت دل کہاں حریصوں کو نصیب — ننانوے ہی رہے کبھی سو نہ ہوئے

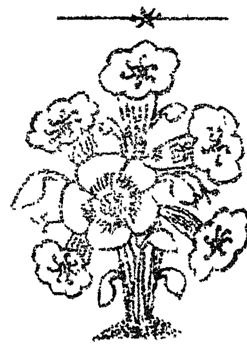
۱۶۴۱ ہر اک سے سنا نیا فسانا ہم نے — دیکھا دنیا میں اک زمانا ہم نے
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز — آخر یہ کھلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

۱۶۴۴ ظاہر تری رحمت نہفتہ ہو جائے — بیدار ہمارا بخت خفتہ ہو جائے
کمھلایا ہوا ہے دل ہمارا یارب — بھیج ایسی ہوا کہ وہ شگفتہ ہو جائے

۱۶۴۵ ہر ساعت رخت بستہ دنیا میں رہے — مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے
عاشورہ ہی ہر روز پس از قتل حسین — مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

۱۶۴۶ دیکھا قدرت کا کارخانہ ہم نے — علمی طاقت کو پست جانا ہم نے
از بسکہ ضرور تھا کوئی طرز عمل — نبیوں نے جو کچھ کہا وہ مانا ہم نے

۱۶۴۷ جب نور یقیں نہیں بصیرت کیسی — طاقت ہی نہیں دلوں میں ہمت کیسی
اسلام نئی روش میں کیا ہو یک رخ — مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی



مثنویات

۱۶۵۰ دور کوہ لب ساحل سے جو گذری اک موج   کوہ نے اس سے کہا تو نے نہ دیکھا مرا اوج
مجھ سے ملکر تجھے جانا تھا برائے دم چند   بولی سالک کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند
ہیں بڑے آپ مگر اپنی جگہ سے ہیں اٹل   اپنی رفتار میں کیا فائدہ ڈالوں میں خلل
ہنس کے اس بحث پہ بولا کسی جانب سے حباب   پوچھئے موج سے یہ بھی ہے رکجانیکی تاب
اپنے بس ہی میں نہیں ہے یہ تعلّی کیسی   اضطراری ہے روش شانِ ارادی کیسی
بہہ گئی موج یہ کہکر کہ میں معذور نہیں   تجھ میں اے کوہ مگر روشنیِ طور نہیں
بلبلا ٹوٹ گیا کوہ بھی خاموش رہا   وہی حیرت رہی دریا کا وہی جوش رہا

۱۶۵۲ آزادی کا شور مبارک   یہ تقلیدی زور مبارک
میرا تو ہے اور ہی منظر   میں تو یہ کہتا ہوں اکبر
عارف کو بیہوشی زیبا   عاقل کو خاموشی زیبا

۱۶۵۳ میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ   علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آکے لیٹ
دونوں نے پاس کر لیے ہیں سخت امتحاں   ممکن نہیں کہ اب ہو کوئی ہمسے بدگماں
بولی یہ سچ ہے علم بڑھا جہل گھٹ گیا   لیکن یہ کیا خبر ہے کہ شیطان ہٹ گیا

۱۶۵۴ کہتے تھے سابق میں سب اوپر خدا نیچے حضور   اس مقولے کو مگر بدلیں گے اب اہلِ شعور
زیر پا ہو ریلوے اور سر پہ ہو انجن کی بھاپ   اب یہ کہنا چاہیے نیچے بھی آپ اوپر بھی آپ

۱۶۵۵ مشرق کو ہے ذوقِ روحانی   مغرب میں ہے میل جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں   ڈارون بولے بوزنا ہوں میں

ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست   فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ووٹ بازی

جب اک بھائی تھے اس منصب پہ ممتاز   تو پھر کیوں آپ نے کی جست و پرواز ۱۶۵۶
لگے کہنے کہ ہمنے دت بجئے پسند   مرا کیا بس مریداں مے پرانند

درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے   کبھی خزاں ہی اور اُس پر کبھی بہار بھی ہے ۱۶۵۷
خلاف اسکے کرے گی خرد جو بے صبری   نہیں اُٹھانے کا نیچر حکومتِ جبری
جو کوئی چاہے کہ قائم کرے نئی بنیاد   تو برگ و بار ندارد درخت بھی برباد
بنائے عظمتِ قومی ہی فطرتی ہے یار   اُسی بنا سے ہو وابستہ ہر خزان و بہار
خیالِ وسعتِ ملت کا جسپہ ہے غالب   طریق راحتِ ذاتی کا وہ نہیں طالب
طریق حکمت و تزئیں ہر ایک رنگ میں ہے   نہ سمجھو یہ کہ فقط مغربی ہی ڈھنگ میں ہے
نگاہ غور کرو سوئے ٹرکی و ایران   نئی بنا پہ حریفوں نے کر دیا ویران
تمھارے دل میں یہ کیا وہم کیا گماں آئے   تمھارے جسم میں کیوں دوسرے کی جاں آئے
جو تو نے بھائیوں کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا   تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا
جو بات ٹھیک ہو کہتا ہوں میں اُسے کھُل کر   کہ سلطنت نہ سہی تم رہو تو رل مل کر

سمجھا رہے تھے مجھکو کمٹ کی وہ گردشیں   خود کر رہے تھے تاک کی ٹٹی سے سازشیں ۱۶۵۸
نقشے میں دیکھتا تھا وہ پیتے تھے جامِ مَے   میں نے کہا حضور یہ مضموں عجیب ہے
ہیں خود تو مست بادۂ عشرت کے خم سے آپ   اُلجھا رہے ہیں مجھکو ستاروں کی دُم سے آپ
بولے کہ اس زمیں میں کوئی اور شعر بھی   میں نے کہا یہ بات مرے ذہن میں بھی تھی
اللہ رے ارتقائے سگانِ درِ حضور   کل تُو سے تم ہوئے تھے ہوئے آج تم سے آپ

ہنس کر کہا اُنھوں نے اُلٹ بحث کا ورق
گانے لگے وہ گیت میں پڑھنے لگا سبق

خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکیں کا ذوق ۱۶۵۱
اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوق

شان سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں
بُت جو تھے دَیر میں ناقوس ہوئے جاتے ہیں

جب نکیرین آئے مری قبر میں بہر سوال ۱۶۶۰
میں نے یہ چاہا کہ لکھوا دوں انھیں اپنا سب حال

ہاتھ پاکٹ میں جو ڈالا مجھکو حیرت ہوگئی
یعنی تھی جو نوٹ بک وہ اس سفر میں کھو گئی

کہدیا میں نے کہ میں اب ہر طرح معذور ہوں
رہ گئی دنیا میں میری نوٹ بک مجبور ہوں

منشی کہ کلرک یا زمیندار ۱۶۶۱
لازم ہے کلکٹری کا دیدار

ہنگامہ یہ ووٹ کا فقط ہے
مطلوب ہر اک سے دستخط ہے

ہر سمت مچی ہوئی ہے ہلچل
ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل

ٹم ٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر
جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر

شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے
آخر کیا شے یہ ممبری ہے

نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج
کونسل تو انھیں کی ہے جنکا ہے راج

کہتے جاتے ہیں یا الٰہی
سوشل حالت کی ہے تباہی

ہملوگ جو اُنمیں پھنس رہے ہیں
اغیار بھی دل میں ہنس رہے ہیں

در اصل نہ دین ہے نہ دنیا
[illegible] رہی ہے دنیا

اسکیم کا جھولنا وہ جھولیں
لیکن یہ نہیں کہ اپنی راہ بھولیں

قوم کے دل میں کھوٹ ہے پیدا ۱۶۶۲
اچھے اچھے ہیں ٹرسٹ کے شیدا

کیوں نہیں پڑتا عقل کا سایہ
اسکو سمجھیں فرض کفایہ

بھائی بھائی میں ہاتھا پائی
سلف گورنمنٹ آگے آئی

پاؤں کا ہوش اب فکر نہ سر کی — ووٹ کی دھن میں بن گئے پھرکی

پاؤں تو ہے ہوس کا دستہ ہے پالسی کا — لیکن ادھر تصور جاتا نہیں کسی کا ۱۶۶۳
ہر وقت لیکن اسپر مسرور ہو رہے ہیں — ہر سو اچھل رہے ہیں ور چور ہو رہے ہیں
اس قبلہ و جماعت کا انتشار دیکھو — اس باغ میں خزاں کی اکبر بہار دیکھو
لکھے گا کلکِ حسرت دنیا کی ہسٹری میں — اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

یہیں کے پیدا یہیں کی رنگت یہیں کی بولی یہیں کا کھانا ۱۶۶۴
تو پھر تفاوت ہو کیوں سُروں میں ہر اک کو بہتر ہے ویسی گانا
رہے فرنگی۔ سو اُن کی سیوا ہر ایک پر آپ فرض کر دیں
جو خاص مطلب ہوں اپنے اپنے الگ الگ جاکے عرض کر دیں
جو باہمی بحث ہو تو باہم ہم اس پہ قال اقول کریں
جو فیصلہ ہو قبول کرلیں جو خار بھی ہو تو پھول کرلیں
برادرانہ محبتیں ہوں جئیں مزے سے خوشی منائیں
نہیں ہے اس میل کا یہ مطلب کہ ہم گورنمنٹ کو ستائیں

نیچر کو ہوئی خواہش زن کی اور نفس نے چاہا رشکِ پری ۱۶۶۵
شیطاں نے دی ترغیب کہ ہاں لذت تو ملے زانی ہی سہی
نیچر کی طلب بالکل ہے بجا اور نفس کی خواہش بھی ہے روا
شیطان کا ساتھ البتہ بُرا اور خوفِ خدا ہے اسکی دوا
نیچر کی تو حد میں تقویٰ ہے اور نفس پہ کچھ الزام نہیں
ہاں ساتھ اگر شیطان کا ہو تو نیک ترا انجام نہیں

١٦٦٦ دراصل نفس کی چالاکیاں ہیں گھاتیں ہیں — جو دیکھیے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں

نہ قوم کی تمھیں الفت نہ قوم کا ہے وجود — فقط یہ پولٹکل اغراض کا ہے صعود

تمھارے سامنے کچھ مغربی ضوابط ہیں — یہ اسم و فعل نہیں ہے فقط روابط ہیں

نہ قوم ساتھ تمھارے نہ تم ہو قوم کے ساتھ — تمھارا پیٹ تمھارا ہے اور تمھارا ہاتھ

خدا پرست کے تیور ہی اور ہوتے ہیں — خطا معاف وہ جوہر ہی اور ہوتے ہیں

١٦٦٧ کسی درجے میں دنیا کے اگر کوئی معزز ہے — سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز ہی بس میرا مرکز ہے

مگر ایسا سمجھنا ہے سراسر اسکی نادانی — وہ عزت اک تماشا ہے وہ حالت اسکی ہے فانی

پناہ نفس بیشک ہے مگر مرکز نہیں دل کا — اسی پہ مطمئن رہنا نہیں ہے کام عاقل کا

وہ کہتا ہے کہ دل کیا چیز ہے بس نفس کی خواہش — وہ کہتا ہے کہ باطن کیا فقط اعضا کی ہے سازش

مگر یہ اسکی نادانی ہے کم فہمی کی ہیں باتیں — یہ بے عقلی کے دن ہیں اور یہ غفلت کی ہیں راتیں

بشر اک نوبت ہستی میں جب مایوس ہوتا ہے — حقیقت اپنی تب کھلتی ہے دل محسوس ہوتا ہے

اگر یاد خدا مرکز ہے تسکین اسکو ہوتی ہے — دگرنہ بیکسی میں جان اندر تن کے روتی ہے

١٦٧ ایمان پہ دل قائم جو رہا پیدا ہوئی آخر شکل کوئی — بالکل ہی سکوں اچھا نہ ہو پھر دائرہ تحقیق کہاں

ہر بات پہ جسنے شک ہی کیا وہ صرف پریشان باطن تھا — پرکار سے نقش اسوقت بنا اک جزو جب اسکا ساکن تھا

١٦٧ مخلوق ہی کا محو یہ ہے رب کا ذکر کیا — مطلب ہی کا غلام ہے مذہب کا ذکر کیا

غیرت ہی جب نہیں ہے تو ایمان ہو چکا — انسان ہی نہیں ہے مسلمان ہو چکا

١٧٠ خس کی یہ مقدرت ہے ہو جو کے ساتھ ہم ہیں — موجیں یہ کہہ رہی ہیں قدرت کے ہاتھ ہم ہیں

دریا رواں ہیں ہر سو چشمے ابل رہے ہیں — جس راہ لگ گئے ہیں اس راہ چل رہے ہیں

١٧٠ غم سے عبرت کا نور حاصل ہے — غم نہایت مجلی دل ہے

غم سے مطلب وہ غم جو داغ بنے … نہ وہ جو رسم کا چراغ بنے

١٦٨١ مذہب ہی امر قومی سمجھو نہ فعل ذاتی … معذور سب ہیں اسمیں گنگو ہوں یا وفاتی
شیعہ ہوں خواہ سنی لالہ ہوں یا برہمن … مذہب کو مورثوں سے سب پاتے ہیں عموماً
پولٹکل ضرورت بیشک تھی اس کی اول … اب اس طرف توجہ لازم ہی صرف سوشل
اچھا برا نہ کہہ دو تم مذہبی بنا پر … اخلاق اسکے دیکھو اصلی تو یہ ہے جوہر
تعلیم ہے جو عمدہ صحبت اگر ہے اچھی … پاؤ گے اسکو اچھا طینت اگر ہے اچھی
ناری ہی یا کہ ناجی اسکا بیاں نہیں ہی … سوشل طریق یہ ہے اور وہ تو راز دیں ہے

١٦٨٢ جنابِ فاطمہؓ کے مرتبے کا کیا کہنا … ہمیشہ چاہیئے اُنپر درود خواں رہنا
جنابِ حیدرِ کرّار کی وہ ہیں بی بی … حسنؑ حسینؑ کی ماں ہیں رسول کی بیٹی

١٦٨٤ ذرّے ہیں چند جنکو صنعت ابھارتی ہی … اک خاک عبرت آگیں لیکن پکارتی ہی
اس انجمن میں ہم بھی اک رات جل چکے ہیں … تم شمع بن رہے ہو اور ہم پگھل چکے ہیں

١٦٨٥ ہر طرح راحت تھی مجھکو دانت سے … قافیہ اُن کا ملا تھا آنت سے
صحت اب بگڑی تو ان میں درد ہی … اس طرف دیکھو تو معدہ سرد ہے
خوابِ راحت کسکو کھانا کون کھائے … رات بھر کرتا رہُوں ہائے ہائے
درد کے آگے رہا منجن بھی گرد … مضطلگی بھی رہ گئی بارِ روے زرد

١٦٨٧ یوں تو دونوں ہی ہیں مصروف عبادت میں مگر … ایک نکتہ ہی نظر چاہیئے جس پر اکبر
اہلِ ظاہر تو فقط حکمِ خدا پاتے ہیں … اہلِ باطن پسِ دل کی دوا پاتے ہیں

١٦٨٨ بے حد اس بات سے ہوں جلتا … مجھ سے مرا دل نہیں بہلتا
ہی شوقِ سوسائٹی میں مستی … کیا خاک ہی یہ خدا پرستی

عزلت سے پناہ چاہتا ہوں — گپ شپ ہی کی راہ چاہتا ہوں
اللہ کے واسطے جو ملتے — بے شبہ گلِ مراد کھلتے

۱۶۹۰ کہاں کا گیان اور دھیان کیسا خدا کہاں کا کہاں کے وشنو
عمل کے بدلے اسی کا غل ہے ہیں وشنو ہیں وشنو

۱۶۹۲ صدائے فونوگراف شنو ہیں تماشائے لمپ برقی
ز سینہ و دل مجو تجلی خموش کن شمع ہائے شرقی

۱۶۹۲ رہنما باطن کا ہو کوئی خضر یہ خوب ہے — اس خضر پر سب سے لڑنا یہ مگر معیوب ہے
اپنے اپنے خضر سے ہر ایک رکھے دل کو شاد — نام ہے اللہ واحد کا برائے اتحاد

۱۶۹۳ اک اٹھا کشور کشائی کے لئے — اک اٹھا حق کی صفائی کے لئے
جنگ میں پیار ہی لقصۂ غرق — ہاں سکندر اور موسیٰ کا ہے فرق

۱۶۹۵ حافظِ شیراز کا کیا پوچھنا تھے خوش بیاں — انکا یہ مطلع ہے اب تک انجمن میں بر زباں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما — چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما
حضرتِ اکبر بھی لیکن اس زمانے میں ہیں فرد — انکا یہ مطلع کوئی پڑھتا تھا کل با آہِ سرد
دوش از صحنِ حرم آمد بہ کالج قوم ما — دیدنی گردیدہ است اکنوں صلوٰۃ و صوم ما

۱۶۹۶ ایک ہی موجِ فنا میں غفلتیں بہ جائینگی — سرکشوں کی گردنیں اپنی جگہ رہ جائینگی
ساقی بزمِ فنا کا لب پہ کپ آنے تو دو — کبر کی اڑ جائیگی قلعی وہ تپ آنے تو دو

۱۶۹۷ بدن طاہر ہوا اور توحید دل میں — تو ہم اچھے ہیں اپنے آب و گل میں
شگفتہ رکھے گی ہمکو طہارت — جھکا ہی دیگی دل طاعت پہ وحدت

۱۶۹۸ اسکا گھوڑا جس کی کاٹھی — بھینس اسی کی جس کی لاٹھی

زور بڑھائے تھائے تھانے — دنیا دیکھے دنیا مانے
تجھکو تو ہے خالی جینا — اس سے اچھا ہر کو جینا

۱۶۹۹ غلط بالکل یہ دعویٰ ہے خدا کو جان سکتے ہیں — مگر یہ صاف ظاہر ہے خدا کو مان سکتے ہیں
تعجب کیا اُسے محدود ہستی نے نہیں جانا — تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

۱۷۰۰ دسمبر میں وہ دوڑے بے تحاشا — لگا ہونے ترقی کا تماشا
زباں گنجینۂ لفظی میں لکھ لُٹ — چلی اسپیچ کے میدانیں بگ ٹٹ
ہوئی جب جنوری روکڑ کی طالب — رپٹ لکھوا گیا قومی محاسب
مفاعین مفاعین فعولن — مفاعین مفاعیں فعولن

۱۷۰۱ قوتِ طبع اگر صرف کرو اے اکبر — تو فقط دشمنِ توحید پہ لازم ہے نظر
کیوں پئے طعن کسی مسلم بدنام کو ڈھونڈھ — بحث کرنا ہے تو بیگانۂ اسلام کو ڈھونڈھ
باہمی کشمکش و طعن کا ہنگام نہیں — کیدِ اغیار سے مسلم کو جب آرام نہیں

۱۷۰۴ اتحادِ مذہبی اہلِ جہاں میں ہے محال — بہرِ اصلاح انتظار اسکا ہے اک وہم و خیال
اختلافِ باہمی سے چاہیئے قطعِ نظر — ورنہ دخلِ غیر سے ہرگز نہ پاؤ گے مفر
لعن و طعن آپس میں سمجھو عقل و مردی کے خلاف — عادتیں ہیں بشری ہے سب کو تم رکھو معاف
ہاں عمل اُس پر کرو جسکو کہ خود سمجھو صحیح — محترز اُس سے رہو جسکو غلط سمجھو صریح
زور سے دیتی ہے دنیا یہ نہیں تو کچھ نہیں — علم سے چلتا ہے کہنا یہ نہیں تو کچھ نہیں

۱۷۰۵ ہو جاؤ کھڑے کہیں جو تو مو — بیٹھے جو رہیں فسا الموہو
آنرا کہ قیام یا قعود است — بگذار کہ مایلِ سجود است

۱۷۰۶ یہ عزم ترا سعی سے دمساز ہو کیونکر — اسباب ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر

اسباب کرے جمع خدا ہی کا ہے یہ کام ۔۔ طالب ہو خدا ہی سے دعا ہی کا ہے یہ کام
بے طاعت و نیکی نہیں تاثیر دعا کچھ ۔۔ آنے کی نہیں کام فقط حرص و ہوا کچھ
منظور ہے اگر کبر و تفاخر کا سبق ہے ۔۔ تخصیص تری کیا ہے حریفوں کو بھی حق ہے
یہ کشمکش فطرتِ دنیا ہے مسلسل ۔۔ اک آج اگر صاحب طاقت ہے تو اک کل
نیکی کی طرف رُخ ہو یہی ناموری ہے ۔۔ کھوٹے کو جدا کر دے وہی بات کھری ہے

١٧٠٩ ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں ۔۔ اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں
مردِ بینا کو فقط ارض و سما کافی ہے ۔۔ یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے
یاد رکھو کہ یہی ہے ملّتِ ابراہیمی ۔۔ اتنا ہی کہدیا آواز ہے بہتر دھیمی

١٧١٠ آغاز یہ تھا کہ دل بڑھا تھا ۔۔ جو بُت تھا نگاہ پر چڑھا تھا
انجام یہ ہے کہ مر رہے ہیں ۔۔ اللہ اللہ کر رہے ہیں

١٧١١ راویوں کا اور شاعر کا بتاؤں تم سے فرق ۔۔ آسمانِ مطلب و معنی پہ دونوں ہی ہیں بَرق
وہ سنایا کرتے ہیں تمکو کہ کسنے کیا کہا ۔۔ یہ یہ کہتا ہے کہ مجھ سے میرے حس نے کیا کہا

١٧١٢ اگرچہ لوگوں نے لکھا ہے حال بعد وفات ۔۔ مگر کوئی بھی نہیں کہہ سکا یقینی بات
جو ٹھیک بات ہے وہ ہمکو ہو گئی معلوم ۔۔ ہمارے شعر کی دنیا میں مچ گئی ہے دھوم
بتائیں آپ سے مرنیکے بعد کیا ہوگا ۔۔ پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

١٧١٣ میسر جب آجائے خوانِ نعیم ۔۔ تو لازم ہے شکرِ خدائے کریم
بہت ہے یہ بیجا کہ کھا کر پلاؤ ۔۔ کہو تم متنجن بھی کچھ ہو تو لاؤ

١٧١٤ سلف کی بھی تھی اک یہ مشکل مد ۔۔ مگر اُس وقت کی تھی مختصر حد
بہت کم تھے رسائی کے دلائل ۔۔ الگ تھے اپنی قوت میں قبائل

تو اپنے وقت کا جغرافیہ دیکھ — یہ مضموں اور اپنا قافیہ دیکھ

ترجمے والے کرتے ہیں محنت — پا لیتے ہیں اپنی اُجرت ١٤١٦
سینے ہو جاتے ہیں خالی — بھرتی جاتی ہے الماری
دل کا کورس تو ٹھہرا عربی — لب پر اُردو ہو یا عربی

اُدھر برگد کا مُلّا ہے اِدھر مندر کا صوفی ہے — نہ اُسمیں بیوقوفی ہے نہ اِسمیں بیوقوفی ہے ١٤١٧
اُدھر وہ بھی اُٹھائے نازِ ستانِ حکومت کا — اِدھر یہ بھی بنا ہے رازِ پیرانِ طریقت کا
فلک کھولیگا اپنے جب کبھی میدانِ مردی کا — تو قصہ ختم ہوگا ذہن کی آوارہ گردی کا

اک مصیبت میں ہے سادھو ہے کوئی یا سیٹھ ہے — ہے تو یہ ساون مگر حکمِ خدا سے جیٹھ ہے ١٤١٨
سچ تو ہے گردوں کو راہِ مہربانی کیوں ملے — آگ جب بوُرپ میں برسے ہمکو پانی کیوں ملے
یا الٰہی جلد ہو بارانِ رحمت کا نزول — یہ دعا لازم ہے سب کو چھوڑ کر کارِ فضول

مذہب کے باب میں کوئی کسکو بدل سکے — یہ تو وہ کر سکے کہ جو حس کو بدل سکے ١٤١٩
حسِ امرِ فطرتی ہے خدا ہی کی شان ہے — منطق سے پہلے عادت و حس کی اُٹھان ہے
میلانِ طبع ہوتا ہے قائم شروع میں — پھر اسکے آگے رہتی ہے منطق رکوع میں
اسکے خلاف کچھ جو کہیں ہو وہ شاذ ہے — یا جبر یا وہ مصلحتوں کا نفاذ ہے ٩/٨

اِنفلوئنزا چڑھا چوگان بازی اب کہاں — اسپتالی ہو رہے ہیں اسپتا زی اب کہاں ٢٠
جاڑے کی قلت ہوئی تو بیل بھی مرنے لگے — اِنفلوئنزا ہوا کرنیل بھی مرنے لگے
آدمی بھی تنگ ہیں اور جانور بھی زیر ہیں — عقل کی سڑکوں پہ بھی بیمار یوں کے ڈھیر ہیں
کیا کھُلے گیہوں کی منڈی کیا دکانیں جو لگے — موت کے دھڑکو نہیں بہتر ہے خدا سے لو لگے
ہم میں ٹھاپن جو آجائے تو وہ سیدھا کرے — دیوتا بگڑے ہیں تو پھر سرکار اسکو کیا کرے

سب کو لازم ہو دعا مانگیں خدا سے رات دن … حد زیادہ کی نہیں لیکن کم از کم سات دن

١٢٢٦ ہو اگر اکبر تمھیں شوقِ صراطِ مستقیم … دیکھ لو قرآن میں ہو مَن یَعتصِم بِاللّٰہ

١٢٣٠ یاد آ رہی ہو مجھکو موسیٰ کی گفتگو اب … ہوں محو اِستَعِینُوا بِاللّٰہِ وَاصبِرُوا

١٢٣١ طاعتِ باری سے دلکو شاد رکھ … اِنَّ وَعدَ اللّٰہِ حَقّ یاد رکھ

مہاراجہ کشن پرشاد بہادر مدارالمہام دکن بالقابہ

١٢٣٧ رحلتِ فرزند سے ہیں راجہ صاحب درد مند … شاد کا دل اس مصیبت سے بہت ناشاد ہے

اکبرِ خونیں جگر اس غم میں ہو خود مبتلا … اُسکے لب پر بھی فغان و آہ ہو فریاد ہے

حرفِ تسکین و تسلی کیا زباں پر لائے وہ … شاد خود صوفی ہیں اُنکو درسِ حکمت یاد ہے

رحمتِ حق پر نظر ہو اور یہی ہے التماس … منزلِ ہستی کی یہ اِک فطرتی اُفتاد ہے

لطفِ اشفاقِ خدا کی گود میں پلتا ہو وہ … جنت الفردوس اُسکے دم سے اب آباد ہے

اس تصور میں رہے مہراج کی طبعِ بلند … یعنی اب عثمان پرشاد آسمان پرشاد ہے

١٢٣٨ لفظوں میں اجتماع نہ معنی میں نور ہے … ویران آج کوچۂ بین السطور ہے

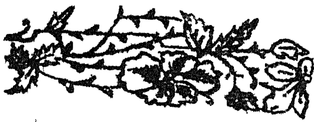
شبلی کا خامہ صفحۂ ہستی سے اُٹھ گیا … اب مدِّ آہ دلوحِ دلِ ناصبور ہے

١٢٣٩ مشتاق ترا اکبرِ رنجور بہت ہے … افسوس یہی ہو کہ دکن دور بہت ہے

١٢٤٠ شبلی بھی اُٹھ گئے تو میرا اب دل کس کے پاس … شعر و سخن کی بزم نظر آتی ہے اُداس

ڈھونڈھا جو دل نے مادۂ سالِ انتقال … پھرنے لگا نگاہ میں یارِ سخن شناس

١٣ ۴۴ ہجری



سر علی محمد صاحب راجہ محمود آباد

ہیں حضرت ساحر آج اک حسن کمال ہر مخزن حکمت و خرد اُن کا خیال
اشعار اکبر کے کیوں نہوں یاد اُن کو راجہ کے گھر میں موتیوں کا کیا کال

سید فضل الحسن حسرت موہانی

تھا دلِ حسرت بھرا ارمان میں ہم نے لکھ بھیجا اُنھیں ہان میں
بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم
ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار
کام کرو اُٹھو چڑھاؤ آستیں لَا یُضِیعُ اللّٰہُ اَجرَ المُحسِنِین

اقبال

حضرتِ اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں قوم کی نظریں جو آنکے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوقِ معرفت یہ طریقِ راستی خودداری بے تمکنت
اسکے شاہد ہیں کہ اُنکے والدین ابرار تھے باخدا تھے اہل دل تھے صاحبِ اسرار تھے
جلوہ گر ان میں انھیں کا ہے یہ فیضِ تربیت ہے ثمر اس باغ کا یہ طبعِ عالی منزلت
مادرِ مخدومۂ اقبال جنت کو گئیں چشم تر ہے آنسوؤں سے قلب ہے اندوہگیں
روکنا مشکل ہے آہ و زاری فریاد کو نعمتِ عظمیٰ ہے ماں کی زندگی اولاد کو
اکبر اس غم میں شریکِ حضرتِ اقبال ہے سالِ رحلت کا بیان منظور اُسے فی الحال ہے

واقعی مخدومہ ما تھیں وہ نیکو صفات — رحلت مخدومہ سے پیدا ہے تاریخ وفات

۱۰۴۴ فخرِ ملت تھے مہدی مرحوم دیکھو دن غم آنکا ہوا کہ دیکھو — سالِ رحلت کا مادہ اکبر مومن پاک ذیلیر لکھو ۱۳۴۳ھ

۱۳۴۱ھ

۱۰۴۷ صدمۂ فرقت میں کر کے مبتلا — آج ہاشم عازمِ جنت ہوا

قوتِ بازوئے عشرت چل بسی — اور مرا نورِ نظر رخصت ہوا

چوک کی مسجد الہ آباد میں ممتاز ہے — شہر میں سارے مسلمانوں کو اس پر ناز ہے

وسعت و رفعت میں تھی محسوس لیکن کچھ کمی — تنگ ہوتی تھی جگہ جب ہوں زیادہ آدمی

دین میں راسخ ہیں عبدالکافی نیکو صفات — انکی باتوں میں اثر انکے ارادوں میں ثبات

کی انھیں نے سعی دل سے اور لگائی حق سے لو — ہو گئی آخر خدا کے فضل سے تعمیر نو

ہو گئی کافی جگہ اسلام کے اقبال سے — کہہ رہی ہے مسجد اب اپنی زبانِ حال سے

مسجدِ کافی کی شانِ آسمانی دیکھئے — خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

مرثیہ ہاشم مرحوم

۵ - جون ۱۹۲۳ء

۱۰۵۰ آغوش[*] سے سدھارا مجھ سے یہ کہنے والا — ابا سنائیے تو کیا آپ نے کہا ہے

اشعارِ حسرت آگیں کہنے کی تاب کس کو — اب ہر نظر ہے نوحہ ہر سانس مرثیا ہے

آگرہ میں مقدمہ ہوا تھا

(ایک میم نے شوہر کو زہر دیا ایک صاحب نے اپنی میم کو قتل کیا)

۱۰۵۲ حالِ مسز کلاک و مسٹر فلم کھلا — تھا کل بیانِ پیشِ عدالت کھلم کھلا

اُنکو کرایا قتل اور اُنکو پلایا زہر — تہذیبِ مغربی کی یہ تکمیل اور یہ قہر

پردے پہ اعتراض ہوا اور زہر ہو دیا — پابیلکی پہ طعن ہوا اور یہ ستم روا

---

[1] رئیس جائیس اودھ وکیل الہ آباد [2] تعددِ ازدواج -

لاکھوں مقدمات ہوئے بعض کھل گئے ۔۔۔ گذرا زمانہ یاد کے دامن سے ڈھل گئے
فتنے کا ہے قصور نہ مفتون کا قصور ۔۔۔ سب کچھ ہے یہ خرابیٔ قانون کا قصور
پردہ نہیں طلاق میں آسانیاں نہیں ۔۔۔ جائز کہیں تعدد ازدواج یاں نہیں
فطرت کا اقتضا جو ہی کس طرح وہ رُکے ۔۔۔ پھر کیوں گناہ جرم کی جانب نہ دل جھکے
آسان ہو طلاق تو دل شاد کیجئے ۔۔۔ بے قتلِ غیر اپنا گھر آباد کیجئے
پردہ جو ہو تو ایسے مواقع بھی کم ملیں ۔۔۔ کیوں بزم میں ہیں شوخ نگاہیں بہم ملیں
قانون میں روا ہو اگر دوسرا نکاح ۔۔۔ پھر کیوں یہ قتل زوجۂ اولیٰ کا ہو مباح
جب پردہ و طلاق و تعدد روا نہیں ۔۔۔ پھر بد معاشیوں کے سوا کچھ دوا نہیں
جانیں ہزاروں جاتی ہیں بچے بلکتے ہیں ۔۔۔ مستانِ مرحلہ سے بھلا کب سرکتے ہیں
مغرب کا دل جو خواہرِ مشرق کے ساتھ ہو ۔۔۔ یہ بھی گھر و نہیں اُن کیلئے ملتی ہاتھ ہے
اکثر یہی ہے حالتِ قانونِ مغربی ۔۔۔ آزادیوں کی قید میں روح انکی ہے پھنسی
بس ظاہری نمود چمک اور ادا میں ہے ۔۔۔ دل کی خبر نہیں ہے کہ وہ کس ہوا میں ہے
لکچر ہے اس طرف تو اُدھر بہشتی بھی ہے ۔۔۔ اس سمت ناچ ہے تو اُدھر خودکشی بھی ہے
تعلیم عورتوں کی ضروری ہے لا کلام ۔۔۔ لیکن جو یہ اثر ہے تو بس دور سے سلام
ہم کو کمال شوق سے تعلیم دیجئے ۔۔۔ لیکن کچھ اپنے گھر کی بھی اصلاح کیجئے
ہم فائدہ اٹھائیں گے مغرب کے راج سے ۔۔۔ لیکن پناہ مانگیں گے ایسے رواج سے

(حسب فرمایش محمد عبد الرشید صاحب آرزو سوداگر دہلی)

دماغ کیلئے خوشبو کا کھیل اچھا ہے ۔۔۔ ہوا بھی مست ہوئی ہو کہ تیل اچھا ہے ۱۵۵۴
اِم آر آرزو کی یہ ترکیب دیکھیے ۔۔۔ نیٹو کو رنگ روپ میں مسٹر بنا دیا ۱۵۵۵

تاثیر میں مفید بنولے کا تیل تھا   خوشبو میں بھی اب اسکو لونڈر بنا دیا

(وکیل پنجاب)

۱۷۵۷ الف دین نے خوب لکھی کتاب   کہ ب دین نے پائی راہِ صواب

بست روزہ پسر سید عشرت حسین سلمہ حسب کی تاریخ ولادت (سید ظفر امام) تھی

۱۷۵۸ نظر امید کی اک غنچۂ دلکش کو تکتی تھی   فلک نے ناشگفتہ اسکو لیکن کر دیا رخصت
سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم اس باغ ہستی کا   بہ صد حسرت کہی تاریخ زمرِ گلشن فطرت
۱۳۳۶ھ

(حسب فرمائش پنڈت مدن موہن صاحب مالوی)

۱۷۵۹ محرم اور دسہرہ ساتھ ہوگا   نباہ اسکا ہمارے ہاتھ ہوگا
خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سنجوگ   تو کیوں کھینچیں نہ باہم صلح ہم لوگ

۱۷۶۰ مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ   کہتے ہیں بازار میں اکبر سے تو بھی بول کچھ
بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے   عمدگی ہے مال میں اور مول میں جب میل ہے

۱۷۶۱ مرے عزیز میں شیعہ میں کسطرح یہ کہوں   کہ میں ہوں خوش جو ہوئی انکی درسگاہ جدا
دلی دعا ہے مگر یہ کہ رکن قوم رہیں   گر کچھ ہٹ وہ ہوں سب کے ساتھ خواہ جدا
بنائے کالج شیعہ الگ ہوئی بھی تو کیا   وہی ہے منزل مقصود گو ہے راہ جدا
برائے دولت و آنر ہے ایک ہی مرکز   نہیں ہے اب بھی طریق حصول جاہ جدا
یہ دونوں سایۂ الطاف مغربی میں ہیں   نہیں ہیں فضل الٰہی سے بادشاہ جدا
جو نسخہ تھا رزولیوشن کا ہے ادھر بھی وہی   نہ کوئی حصن جدا ہے نہ ہے سپاہ جدا
یہ دونوں اب بھی بدستور بھائی ہیں   نہیں ہے چرچ جو ہو جائے خانقاہ جدا
ٹرین ایک ہے پھر کیا جو دو ٹکٹ گھر ہوں   کہ اپنا بیگ سنبھالیں ملے پناہ جدا

وہ شیخ کی تھی ترقی یہ مجتہد کا عروج   نئے طریق کے ہیں حجب دو گواہ جدا
شب وصال کے نغمے الگ چھیڑے دو سمت   جنھیں ہو ہجر وہ کرلیں گے اپنی آہ جدا
عجب نہیں جو بلندی و اتحاد بڑھے   دکھائے رنگ جو دنیا کا انتباہ جدا
ہزار دور ہوں۔ اپنے جو ہیں وہ اپنے ہیں   کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جدا
مگن ہیں تھیٹر و انجینیر۔ رہے ذاکر   وہ کر ہی لیں گے کسی طور سے نباہ جدا
ثواب نیک خیالی بھی پائے گا اکبر   سو سائٹی میں بزرگوں کی ہو واہ واہ جدا

۱۶۶۳ حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت فقیر طینت   عمل ہے اپنی ہی عنصر و نمیں اگرچہ دہلی کی ہو ذہانت
عنان اندیشہ ہے مضطر ادھر ادھر گو کبھی مڑی بھی   وہ دست فن ہے کہ جس سے چھوٹی کبھی نہ حبل المتین وحدت
ضمیر میں اُس کے ہے تصوف معاشرت میں ہے بے تکلف   فروع جو کچھ بھی پیش آئیں اصول میں اُن کے ہے قناعت

وفات دختر جناب منشی افتخار حسین صاحب کاکوروی ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ

۱۶۶۴ چل بسی وہ دختر گل پیرہن   ہو گیا ویراں ہمارا باغ آہ
سال رحلت کیا کہوں اے افتخار   دیکھتے ہی ہے جگر میں داغ آہ

۱۶۶۵ فغاں کہ سوخت ز غم جان افتخار حسین   دلش فسردہ شد از جور عالم فانی
تسنیم فاطمہ دخت عزیز نور نظر   نہال نورس و زیبا بباغ امکانی
جمال صورت و معنی خمیر ہستی او   بہ خلق مجسم سعادت بخلق لاثانی
فغاں کہ دست اجل پنجہ زد بدامن او   کشید رخت اقامت ز عالم فانی
بہار گلشن ہستی ہنوز نا دیدہ   پرید طائر روحش بحکم یزدانی
فراق لخت جگر را ز والدین بپرس   چہ برقہا کہ بیفگند سوز پنہانی
ہزار شعلہ حسرت کہ سر زد از دلہا   ہزار اشک مصیبت کہ کرد طغیانی

تاثیر میں مفید بنوے کا تیل تھا ۔ خوشبو میں بھی اب اسکو لونڈر بنا دیا

(وکیل پنجاب)

۱۶۵۷ الف دین نے خوب لکھی کتاب ۔ کہ ب دین نے پائی راہ صواب

بست روزہ پسر سید عشرت حسین سلمہ حسب کی تاریخ ولادت (سید ظفر امام) تھی

۱۶۵۸ نظر امید کی اک غنچۂ دلکش کو تکتی تھی ۔ فلک نے ناشگفتہ اسکو لیکن کر دیا رخصت
سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم اس باغ ہستی کا ۔ بہ صد حسرت کہی تاریخ رمز گلشن فطرت
۱۳۳۶ھ

(حسب فرمائش پنڈت مدن موہن صاحب مالوی)

۱۶۵۹ محرم اور دسہرہ ساتھ ہوگا ۔ نباہ اسکا ہمارے ہاتھ ہوگا
خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سنجوگ ۔ تو کیوں کھیلیں نہ باہم صلح ہم لوگ

۱۶۶۰ مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ ۔ کہتے ہیں بازار میں اکبر سے تو بھی بول کچھ
بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے ۔ عمدگی ہے مال میں اور مول میں جب میل ہے

۱۶۶۱ مرے عزیز ہیں شیعہ میں کسطرح یہ کہوں ۔ کہ ہیں وہ خویش جو ہوئی اُنکی درسگاہ جُدا
دلی دعا ہے مگر یہ کہ رکن قوم رہیں ۔ گر بحیثیت وہ ہوں سب کے ساتھ خواہ جُدا
بنائے کالج شیعہ الگ ہوئی بھی تو کیا ۔ وہی ہے منزل مقصود گو ہے راہ جُدا
برائے دولت و آنر ہے ایک ہی مرکز ۔ نہیں ہے اب بھی طریق حصول جاہ جُدا
یہ دونوں سایۂ الطاف مغربی میں ہیں ۔ نہیں ہیں فضل الٰہی سے بادشاہ جُدا
جو نسخہ تھا رزولیوشن کا ہے ادھر بھی وہی ۔ نہ کوئی حصن جدا ہے نہ ہے سپاہ جُدا
یہ دونوں اب بھی بدستور بھائی بھائی ہیں ۔ نہیں ہے چرچ جو ہو جائے خانقاہ جُدا
ٹرین ایک ہے پھر کیا جو دو ٹکٹ گھر ہوں ۔ کہ اپنا بیگ سنبھالیں ملے پناہ جُدا

وہ شیخ کی تھی ترقی یہ مجتہد کا عروج — نئے طریق کے ہیں خوب دو گواہ جدا
شبِ وصال کے نغمے الگ چھیڑ دو سمت — جنھیں ہو ہجر وہ کرلیں گے اپنی آہ جدا
عجب نہیں جو بلندی و اتحاد بڑھے — دکھائے رنگ جو دنیا کا انتباہ جدا
ہزار دور ہوں۔ اپنے جو ہیں وہ اپنے ہیں — کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جدا
ملکن ہیں ٹیچر و انجینیر۔ رہے ذاکر — وہ کر ہی لیں گے کسی طور سے نباہ جدا
ثواب نیک خیالی بھی پائے گا اکبر — سوسائٹی میں بزرگوں کی واہ واہ جدا

حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت فقیر طینت — عمل ہے اپنی ہی عنصر و نمو اگرچہ دہلی کی ہے دنیا بت ۱۲۶۳
عنانِ اندیشہ ہاے مضطر ادھر ادھر گو کبھی مڑی بھی — وہ دست دل ہے کہ جس سے چھوٹی کبھی نہ حبل المتین وحدت
ضمیر میں انکے ہے تصوف معاشرت میں ہے بے تکلف — فروع جو کچھ بھی پیش آئیں اصول میں انکے ہے قناعت

وفات دختر جناب منشی افتخار حسین صاحب کاکوروی ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ

چل بسی وہ دخترِ گل پیرہن — ہو گیا ویران ہمارا باغ آہ ۱۲۶۴
سالِ رحلت کیا کہوں اے افتخار — دیکھتے ہی ہیں جگر میں داغ آہ

فغاں کہ سوخت زغم جان افتخار حسین — دلش فسردہ شد از جورِ عالمِ فانی ۱۲۶۵
شمیم فاطمہ دخت عزیز نورِ نظر — نہال نورس و زیبا بباغِ امکانی
جمالِ صورت و معنی خمیرِ ہستی او — بہ خلق نجم سعادت بخلق لاثانی
فغاں کہ دست اجل پنجہ زد بدامنِ او — کشید رخت اقامت ز عالمِ فانی
بہار گلشن ہستی ہنوز نا دیدہ — پرید طائر روحش بحکم یزدانی
فراق لختِ جگر را ز والدین بپرس — چہ بر قضا کہ بیفگند سوز پنہانی
ہزار شعلۂ حسرت کہ سر زد از دلہا — ہزار اشک مصیبت کہ کرد طغیانی

جو فکر سال وفاتش نمودم از سر آہ — شمیم خلد شدہ گفت فضل رحمانی

یہ تھا قول حیدر آتے تھے جب وہ تخت شاہی سے — جو پیش آیا ہے پیش آیا ہی تقدیر الٰہی سے ١٧٦٦
جو نا امید ہو اُترے تخت سے اُنکا یہ شکوہ تھا — اُنھیں نے دی دغا ہمکو ہمیں جن پر بھروسا تھا
انھیں قولوں نے کھینچا عبرت و حسرت کا نقشا بھی — انھیں سے ہے عیاں طرز خیالِ دین و دنیا بھی

خدا کے بندۂ صالح نقی محمد خان — سپہر علم و خرد کے ہیں اختر تاباں ١٧٦٧
کتاب اُنکی یہ ہے ہادیٔ طریق صواب — ملا ہی ہمکو یہ گنجِ جواہرِ خوش آب
جو غنچۂ قلب کا تاریخ کی طلب میں کھلا — کلید خلق و سعادت میں سال طبع ملا

نور باطن بڑھ گیا اعجوبۂ اسرار سے — دل نے پائی تقویت اس روح کے غمخوار سے ١٧٦٨
پردۂ غفلت اُٹھا دیتے ہیں وہ مضموں یہیں — پھیر دیتے ہیں طبیعت دہر کے بازار سے
ہیں مصنف اس رسالے کے بڑے عالی خیال — واقعی یہ ہے کہ ہیں وہ فرقۂ ابرار سے
بند ہے اسوقت چشم عبرت و عرفاں تمام — ہاں لیا ہے کام اُنھوں نے دیدۂ بیدار سے
ہے بجا اعجوبۂ اسرار کے نسبت یہ قول — دولتِ ایماں بڑھی تصنیف گوہر بار سے

(حسب فرمائش سید منظور حسن صاحب اختر زیدی مصنف قصیدہ ہدیہ حیدری)

کس قدر پُر نور ہے یہ نظم مدح بوتراب — یہ بلاغت حیرت افزا یہ فصاحت لاجواب ١٧٦٩
اس قصیدے سے ہوئے روشن زمین و آسماں — اوج معنی پر دلِ اختر سے نکلا آفتاب

جناب سید مہدی حسن خجستہ صفات — بلند مرتبہ ذی علم مصدرِ حسنات ١٧٧٠
سدھارے دارِ فنا سے وہ سوئے خلد بریں — سنہ وفات کا خواہاں ہوا جو قلب حزیں
پڑھا یہ ہاتفِ غیبی نے مصرعۂ جید — مقیم خلد بریں[لہ] مہدی حسن سید
١٣٣٧ ھ

لہ ڈپٹی کمشنر جبل پور

۱۶۶۱ ماجد کو آپ سمجھیں بیگانۂ طریقت — دل میں مرے تو ہی اک امید کا قصیدہ
ہیں غالباً وہ مصداق اس شعر باثر کے — ارشاد کر گیا ہے اک مرد برگزیدہ
من پاک باز عشقم ذوقِ فنا چشیدہ — آہوئے دشت ہویم از ماسوا رسیدہ

(مسٹر برن سابق چیف سکرٹری گورنمنٹ یوپی حال کمشنر بنارس۔ فارسی۔ اردو میں بہت قابل)
مصنف کے بڑے قدرشناس۔ کلام عارفانہ وحکیمانہ کے شیدا

شاعروں میں جب آیا میرا ٹرن — پڑھ دیا میں نے پیش حضرت برن
اردو و فارسی میں آپ ہیں برق — آپ ہی سے ہی نور مطلع شرق
صاحب فیض و لطف و علم ہیں آپ — عزت افزائے اہل علم ہیں آپ
حق تعالیٰ کو مانتے ہیں آپ — قدر طاعت کی جانتے ہیں آپ
فخر و ناز آپ کیلئے ہے مباح — اک زمانہ ہے آپ کا مداح
آپ سے اہل کے دل کو راحت ہو — ایسا حاکم خدا کی رحمت ہے
آپ کا دل ہو مخزن ہمہ دوست — جو ملا آپ سے بنا وہ دوست
ہے بلند آپ کے کرم کا علم — ہیں مرید آپ کے سب اہل قلم
سازِ بزم آپ کا رہے برتر — ہو مبارک ترانۂ اکبر

(عطائے شمشیر بہ شیخ شاہد حسین صاحب رئیس او دھ بہ صلۂ خدمات ایام جنگ)

۱۶۶۴ حسن کو ابروئے خمدار مبارک ہوئے — مرے شاہد کو یہ تلوار مبارک ہوئے

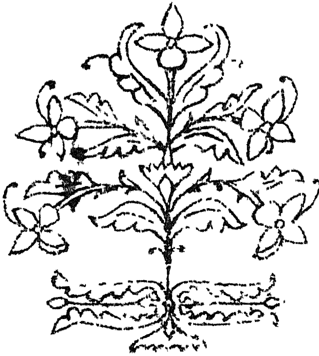
بمقام جونپور بنگلہ سید عشرت حسین سلمہٗ

ب
۱۶۶۴ فضل ہو اللہ کا ہوں جمع سالے سالیاں — وہ اچھالیں بال یہ چمکائیں اپنی بالیاں
لمپ کی ہو جگمگاہٹ اور بجے نو نو گراف — عشرتی جھوما کریں نچے بجائیں تالیاں

گھر رہے آباد سمدھی اور سمدھن خوش رہیں ڈومنی انعام پائے گائے پیاری گالیاں
گرد بنگلے کے رہے سرسبز ہر شاخ درخت نہر کے پانی سے لہراتی رہیں سب نالیاں
ڈھیر ہو پھولوں کا گلدستے بنائے باغباں پیڑ پھل دیتے رہیں مالی لگائیں ڈالیاں
سونے چاندی کی بہیں موجیں دلھن کے ہاتھ سے لیں بلائیں اور دعائیں دیں انھیں گھر والیاں
غل مچائیں کھیل میں بچے رہے بنگلے میں دھوم میہمانوں کیلئے پکوان کی ہوں تھالیاں
جھانک کر دیکھیں تو جج صاحب کا دل بھی ہو نہال کمرے کی دیواریں دو اک بنی ہوں جالیاں

(محمد موسیٰ صاحب برادر خرد شمس العلما مولوی امجد علی صاحب ام اے)

بھیجی جو تم نے مجھکو بیچی شربت کی نظر ہی اس سے نیچی ج ۱۷۷۴
منھ میں رکھکر جو میں نے چوسا بولی یہ زباں واہ موسیٰ



ترجیع بند وغیرہ

ذکرِ رسولِ پاک ہو فخرِ زبانِ انس و جن — روح کو اس سے ہو سرور قلب ہے اس سے مطمئن ۱۷۷۵
ولولۂ دلِ جواں قوتِ خاطرِ مسن — سنئے اگر بہ گوش ہوش ورد ملک ہے رات دن

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

خضر رکوع ہے یہی شوقِ سجود اسی سے ہے — حالت ذوق و وجد کا دل میں ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان نمود اسی سے ہے — منبع خیر ہے یہی ہمتِ جود اسی سے ہے

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر — ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کر دے سما ابھار کر — اکبر اسی کا ورد تو صدق سے بے شمار کر

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

شافع عاصیاں ہیں وہ تائبوں کے کفیل ہیں — فیض رسان خلق ہیں حامیٔ بے عدیل ہیں
شکل میں وہ جمیل ہیں شان میں وہ خلیل ہیں — منظرِ نورِ حق ہیں وہ مہبطِ جبرئیل ہیں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

سینۂ بت ہیں آپ سے شوق کفر کے دل میں تیر ہیں — حکم خدا کے ہیں مطیع دین کے دستگیر ہیں
راحت جان و روح ہیں روشنیٔ ضمیر ہیں — خلق ہے ان سے مستفید ہادیٔ بے نظیر ہیں

صلِّ علیٰ محمدٍ صلِّ علیٰ محمدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہوں شب و روز بیقرار — دین سے دل کو پھیر دیں ایسے سبب ہر شمار
مرکزِ طبع کیا مجھے جس سے ہو کم یہ انتشار — آئی صدا افلاک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

پہنے مرے آسماں اگر تجھ سے ہو بر سر جفا ۔ ہو نہ ملول تجھ سے ہو دولت و جاہ اگر خفا
مسلک مستند یہ ہو چھوڑ نہ تو رہ صفا ۔ نسخۂ حفظ دیں یہ ہو یہی ٹھیک فلسفہ

صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

۱۰۰۶ نگرانیٔ مرا حل کبھی ایسی تو نہ تھی ۔ تند موجِ لبِ ساحل کبھی ایسی تو نہ تھی
بدگمانی تری قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی ۔ بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہو تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کرتی ہے خلق کو لیلائے لبرٹی مفتوں ۔ ہند کے دل کو لبھا لیتا ہو دل کا یہ فسوں
لاجپت بھی ہوئے شاید کہ اسیر و محزوں ۔ پائے کوباں کوئی زنداں میں نیا ہو مجنوں
آتی آوازِ سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

بیشتر اس سے طبائع کے نہ تھے یہ پہلو ۔ کہیں اشنان کی تھی لہر کہیں موجِ وضو
اے مسِ سیمتن و ماہ جبین و گل رو ۔ تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

تعلیم نسواں ایک پنڈت صاحب کی فرمائش سے

۱۰۰۷ تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے ۔ لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے
حسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے ۔ اور اس میں والدین کا بیشک قصور ہے
ان پر یہ فرض ہو کہ کریں کوئی بندوبست ۔ چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شاد و مست
لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت ۔ جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت ۔ ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ
شوہر کی ہو مرید تو بچوں کی خادمہ

مذہب کے جو اصول ہوں اسکو بتائے جائیں
با قاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں

اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں
سکّے خدا کے نام کے دلمیں بٹھائے جائیں

عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
اور حسنِ عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے

تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں
خالق پہ لو لگائے گی وہ اپنے کام میں

خیرات ہی سے ہوگی غرض خاص و عام میں
اسکو سکھایا جائے یہ واضح کلام میں

اچھا برا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ ہے
نیکی اگر کرے گی تو فطرت بھی ساتھ ہے

تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے
دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے

یہ کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے
لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے

گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا

کھانا پکانا جب نہیں آیا تو کیا مزا
جوہر ہے عورتوں کے لیئے یہ بہت بڑا

لندن کے بھی رسالوں میں ہیں نے یہی پڑھا
مطبخ سے رکھنا چاہیئے لیڈی کو سلسلا

وقت آپڑے تو کاڑھے گزی میں بھی عذر کیا
گھر کے لیئے طعام پزی میں بھی عذر کیا

سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر
درزی کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر

عورت کے دل میں شوق ہو اس بات کا اگر
کپڑوں سے بچے جاتے ہیں گل کی طرح سنور

کسبِ معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
اک شغل بھی ہو دل کے بہلنے کی بھی امید

سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
صحت نہیں درست تو بیکار زندگی

کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی
آفت ہی ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی

تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

پبلک میں کیا ضرور کہ جاکر تنی رہو
تقلید مغربی پہ عبث کیوں ٹھنی رہو

داتا نے دھن دیا ہی تو دل سے غنی رہو
پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں دیوی بنی رہو

مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے
مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے

دنیا میں لذتیں ہیں نمائش ہی شان ہی
اُنکی طلب میں حرص میں سارا جہان ہی

اکبر سے یہ سنو کہ جو اُس کا بیان ہی
دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہی

حد سے جو بڑھ گیا تو ہوا اُسکا عمل خراب
آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

نعت

مدیح سرورِ کونین میں خامہ اُٹھاتا ہوں
خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہوں ۱۹۶۸

شبِ اوہام ہی شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہوں
چراغِ طورِ ایمن کوہِ معنی پر جلاتا ہوں

الٰہی شوخیِ برقِ تجلّی دہ زبانم را
قبولِ خاطرِ موسیٰ نگاہاں کن بیانم را

محمد پیشوا و رہنمائے خلق و عالم ہیں
معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرم ہیں

فروغِ محفلِ ہستی میں نورِ عرشِ اعظم ہیں
حبیبِ حق ہیں ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں

اُنھیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
اُنھیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہی

اُنھیں کے دل کو آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر
اُنھیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر

وہی چشم خدا بیں محو تھی اندازِ فطرت پر
اُنھیں کا نازِ غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر

وقائع اُنکے عزم و فکر کے سانچے میں ڈھلتے تھے
ذرائع غیب سے تکمیلِ مقصد کو نکلتے تھے

وہ نظریں ساقیٔ میخانۂ یزداں پرستی تھیں
وہ آنکھیں مظہرِ انوار رازِ بزمِ ہستی تھیں
انھیں پر بدلیاں خالق کی رحمت کی برستی تھیں
اسی محفل کی بخشیں خلد کے پھولوں میں بستی تھیں

اسی سرکار نے رتبہ بڑھایا طبعِ انساں کا
اسی دربار نے خلعت پنھایا نورِ ایماں کا

نہ سمجھا پھر ہر اک نے آب و سنگ و نار کو حاکم
طبایع ہو گئے تحقیق موجودات کے عازم
جو تھے صناع تاثیرِ عناصر کے ہوئے عالم
پرستارانِ عنصر نے عناصر کو کیا خادم
ہوئی توحید بالآخر کمی عنصر پرستی کی
پڑی بنیاد اسی ارشاد سے علمی ترقی کی

غلط سمجھا گیا دعویٰ بتوں کی فاعلیت کا
یقیں پیدا ہوا حکمِ خدا کی کاملیت کا
بڑھا نورِ بصر گذرا زمانہ جاہلیت کا
بجا ڈنکا زمانے میں بشر کی قابلیت کا
اشارہ عقل کی جانب کلامِ حق میں واضح ہے
یہی قرآں درِ گنجینۂ فطرت کا فاتح ہے

معانی اُنکے روشن تھے اندھیرے میں اُجالے میں
سما جاتا تھا خوف اُنسے تعرض کرنے والے میں
وہ یوں اصحاب میں تھے جسطرح ہو چاند ہالے میں
مصنف سیل (Sale) کو لکھنا پڑا اپنے رسالے میں
محمد کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں
زباں میں وہ فصاحت تھی کہ قوموں میں راہ کرتی تھیں
قدم اُنکے لیے تھے بہرِ حلِ مشکل مسائل نے
ہدایت اُنسے حاصل کی جہاں میں طبعِ مائل نے
جوابوں میں تشفی پائی اُنسے طبعِ سائل نے
نہایت ہی فصاحت سے لکھا ہے کارلائل نے
جو طاقت رات کو دن اور دن کو رات کرتی تھی
وہ طاقت یعنی یہ فطرت خود اُنسے بات کرتی تھی
معاشر دیکھکر شان اُنکی اُنکو شاہ کہتا تھا
مسافر راہ پاکر اُنکو خضرِ راہ کہتا تھا
مخاطب معترف ہوتا تھا حق آگاہ کہتا تھا
مخالف کو حسد تھا پھر بھی دل میں واہ کہتا تھا
دلِ کافر میں بھی قدر اُنکی تھی اُنکا ادب کچھ تھا
زہے شانِ نبوت کچھ نہیں تھا اور سب کچھ تھا

جواہر خانہ اُس چشم کرم سے سینہ بنتا تھا — حقایق کا خرد کا علم کا گنجینہ بنتا تھا
لطافت سے صفا سے نور سے آئینہ بنتا تھا — علوی فکر سے عرش بریں کا زینہ بنتا تھا
مُرید اُنکے نہ تھے مشتاق دنیا کی تگ و دو کے — قدم افلاک پر پڑتے تھے اُس ہادی کے پیرو کے
قلوب اُنکی نظر کے مرحب ہوش افزا سے ہلتے تھے — چمن اُنکے سخن کے فیض بے ہمتا سے کھلتے تھے
ہجومِ خلق تھا راہِ طلب میں شانے چھلتے تھے — بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے جھک کے ملتے تھے
فلک تھا دم بخود بادِ مخالف چل نہ سکتی تھی — خدا کی بات تھی ہائے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

۱۶۷۹ خلقت کی مصلحت سے ہم کچھ یہ پیار ہے — ورنہ ہر ایک اپنی طرف بقیہ ار ہے
جو ذرہ ہے یہاں اُسے اک انتشار ہے — مرجع تمام خلق کا پروردگار ہے
ہر آن میں ہے شان خدائے قدیر کی — ہر سمت اک صدا ہے الیک المصیر کی

۱۶۸۰ اب تو یاری کا اسی پر رہگیا ہے انحصار — جسکا تو حاسد ہے اُسکا جو ہو حاسد تیرا یار
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں
جنگ جبتک تھی تو لسے ۔ نام تھا اللہ کا — ابتو ہر اک ہے مجاور اک جدا درگاہ کا
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں
ہاں تجارت اور پالیٹکس میں دیکھیں جو سود — چند روزہ متفق ہوں ورنہ اے شیخ و ہنود
واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں



متفرقات

الا یا ایہا الساقی سخن تصنیف ناول ہا — دروغ آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا ۱۶۸۱

جن لوگوں کا قومی کوئی مرکز نہیں ہوتا — انہیں کا کوئی فرد معزز نہیں ہوتا ۱۶۸۲

سند کیسی جمال انمیں اگر ہے ہوگا خود ظاہر — کوئی سارٹیفکٹ سے خوبصورت ہو نہیں سکتا ۱۶۸۳

آپ کی کارروائی پہ میں کیا دوں الزام — کرہی کیا سکتے ہیں اب آپ حماقت کے سوا ۱۶۸۵

جس نے ملتی تھی انھیں دل میں نہ رگوں کے جگہ — وہ ادب لڑکوں نکلے دل سے آج کل جاتا رہا ۱۶۸۶

حال دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعویٰ — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا ۱۶۸۷

شیخ نالاں ہیں کہ برگد کو برتنا ہی پڑا — اس پرانے سوت کو بھی بل ہیں کتنا ہی بڑا ۱۶۸۸

جو اصل و نقل سے واقف ہے اسنے دلکو ہے روکا — مبارک ہو تمھیں کو چاٹنا لڈو کے فوٹو کا ۱۶۸۹

پئے ممبری جو اُبلے سمجھ اسکو خون اچھا — یہ بجا ہے قول شاعر گذ بدجنوں اچھا ۱۶۹۰

مسلمانوں کا وہ آئین طبع مستقل بدلا — چھٹی عربی گیا قرآں زبان بدلی تو دل بدلا ۱۶۹۱

ہوٹل میں برہمن نے اگر بھوگ لگایا — سمجھو کہ دھرم کو یہ بڑا روگ لگایا ۱۶۹۲

ہیں نے سحری کے کھانے پر ٹوکا تھا تو وہ جھنجلائی تھی — اور آج جناب واعظ نے چورن سے فقط افطار کیا ۱۶۹۳

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز — جغرافیے میں عرش کا نقشہ نہیں ملا ۱۶۹۴

فرقت نے کہا کہ جاگئے آپ — کھٹمل نے کہا کہ بھاگئے آپ ۱۶۹۵

بنی امیہ سے تھے تنگ قبل ازیں سادات — ستانے آئے ہیں اب شیخ کو بنی کالج ۱۶۹۶

الفاظ ثقیلہ کو مغرب نے کیا خارج — اب دم کی جگہ ٹمٹ سمدے کی جگہ کالج ۱۶۹۸

اکبر میں کہتا ہوں لگ ہو سارا قصہ چھوڑ کر — کر طلب دنیا مگر صاحب کا حصہ چھوڑ کر ۱۶۹۹

۱۸۰۰ ظلم ہے انکو اگر داد نہ دوں میں لیکن — اپنے مداح کا مداح نہ ہونا بہتر

۱۸۰۱ ہم ڈنر خواہی وہم آں وضع صاف — ایں خیال است ومحال است و گزاف

۱۸۰۲ کیا پوچھتے ہو اکبر شوریدہ سر کا حال — خفیہ پولس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

۱۸۰۳ تذکرے انکی خوش اخلاقی کے سنتا ہوں بہت — جتنے راوی ہیں مگر وہ سب ہیں اربابِ نشاط

۱۸۰۴ عدو کے شست سے بچتے نہیں ہیں — یہ کالے ہیں مگر کوے نہیں ہیں

۱۸۰۵ تھیئیٹر والیاں دنیا میں ہر سو عیش کرتی ہیں — جہاں تصانیف میں لیلی ہیں بلکشی کرتی ہیں

۱۸۰۶ سائنس کا مطلب ہے کہ نیچر کو نچوڑیں — اس بت کی یہ خواہش ہے کہ اکبر کو نچوڑیں

الف ۱۹۰۶ دیکھیے رہتا ہے کبتک ملتوی یہ قصد حج — گھر کے جانب سے تو اطمینان ہونے کا نہیں

۱۸۰۸ مصلح قوم ہوں امت کے نگہبان نہیں — پہلے للّٰہ مگر خود تو مسلمان نہیں

۱۸۰۹ دفع دل سے اثر یاس کیا کرتے ہیں — رزولیوشن ہی بس پاس کیا کرتے ہیں

۱۸۱۰ گوشۂ مسجد میں کارِ شیخ اب بنتا نہیں — پیٹ کو تسکین پا جائے مگر تنتا نہیں

۱۸۱۱ خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر — جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اک دن

۱۸۱۲ مسلماں تو وہ ہے جو ہو مسلماں علمِ باری میں — کروڑوں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

۱۸۱۳ گرو جی دیکھکر ہم کو لہو کے گھونٹ پیتے ہیں — جو سچ پوچھو تو ہم بھگوان کی کرپا سے جیتے ہیں

۱۸۱۴ وصل کا اس بت خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں — صرف لیسے میں بھلا لطف گورمنٹ کہاں

۱۸۱۵ صداقت کے نشاں اس معرکۂ اکبر میں ملتے ہیں — کلبیں سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ملتے ہیں

۱۸۱۶ خدا کی راہ میں پہلے بسر کرتے تھے سختی سے — محل میں بیٹھکر اب عشق قومی میں تڑپتے ہیں

زمیں بھی شعاعِ مہر کا جیسے اثر سہتے — وہی دل خوب ہیں جو گرمی عرفاں سے تپتے ہیں

۱۸۱۷ ملکی خیال جب ہے تو ہو ساز ملک بھی — پھیلا لیا ہے اسنے تو ہم بین کیوں نہ لیں

رسماً تو ایک بوسہ ہی کافی ہے دم وداع — لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں

(مصرعہ طرح یہ تھا: بی بی نے دل لیا تو سر دین کیوں نہ لیں)

لطف ہو واعظ کو اکبر قوم خود مختار میں — وقت کیوں کھوتا ہے اپنا لمپ کے بازار میں ۱۸۱۸

ہمارے کل خیالوں کو وہ مستحسن سمجھتے ہیں — بجز اسکے کہ ہم شیطان کو دشمن سمجھتے ہیں ۱۸۱۹

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں ۱۸۲۲
جھگڑے کے لیے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں
آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

ممبر علی مراد ہیں یا سکھ ندھان ہیں — لیکن معائنے کو وہی نا بدان ہیں ۱۸۲۳

ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو — مس زلف دکھاتی ہے کہ اس لام کو دیکھو ۱۸۲۵

یہ خوب مصرعہ اکبر ہے اسکو شوق سے گاؤ — جو تمکو منھ نہ لگائے تم اس سے دل نہ لگاؤ ۱۸۲۶

محو پرواز ہیں گلشن میں جو تھے زمزمہ سنج — فیض صیاد نے بخشی یہ ترقی ان کو ۱۸۳۰

پرہیز سے تھامو صحت کو بھگوان کی ہر دم جاپ کرو — اسکول کمیٹی میں ہے پھنسا تم اپنی ترقی آپ کرو ۱۸۳۱

ہجر کی شب یوں ہی کاٹو بھائیو — ان کا فوٹو لے کے چاٹو بھائیو ۱۸۳۲

انگلش سے یہی ہم کہتے ہیں انصاف کرو نعمت چکھو — جب تمکو خدا خوش رکھتا ہے تم خلق خدا کو خوش رکھو ۱۸۳۳

عقل دنیاوی بڑھانے کی نہ تم کوشش کرو — عقل دنیاوی سے بچنے کے یہ دن ہیں چپ رہو ۱۸۳۴

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ — رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ ۱۸۳۵

جو چاہتے ہیں سکھئے عمر اعتدال کے ساتھ — سمجھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ ۱۸۳۶

وہی صاحب عمل ہیں شرع و دیں جنکا وظیفہ ہے — یہ صلح کل فقیری فقرہ یا شاہی لطیفہ ہے ۱۸۳۷

١٨ سمجھتے تھے جو انکو انکی گردن تمنے کل ماری — سمجھ لو آج بیکار ان کتابوں کی یہ المارٰی

١٨٣٩ کچھ اسکا غم نہیں آ جسن میں ہو کہ بل میں رہے — تنظم کے ساتھ نہ پھیلے حدود دل میں رہے

١٨٤٠ شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی — ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

١٨٤١ عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے — خدا کی مار سے ووٹوں کی مار کم کیا ہے

١٨٤٢ ماہ جون میں یاد قانون کیجئے — اور گوارا خفت نون کیجئے

١٨٤٣ فرنگی سے کہا پنشن بھی لیکر بس یہیں رہیئے — کہا جینے کو آئے ہیں یہاں مرنے نہیں آئے

١٨٤٤ کافی ہیں امیروں کو قوانین گورمنٹ — مذہب کی ضرورت تو غریبوں کیلئے ہے

١٨٤٥ کالج سے جنھیں امیدیں ہیں مذہب کو بھلا کیا مانیں گے
مغرب کو تو پہچانا ہی نہیں قبلے کو وہ کیا پہچانیں گے

١٨٤٦ تم بن گئے ہو صاحب مرزا غریب ٹھہرے — پھر انکو کیا تم انکے گھر کے قریب ٹھہرے

١٨٤٨ میم نے شیخ کو ڈانٹا تو پکارے وہ غریب — دیکھیئے توپ نے لاٹھی کو دبا رکھا ہے

١٨٤٩ تمھارے حسن میں سائنس کا بھی دل الجھتا ہے — کمر کو دیکھکر وہ خط اقلیدس سمجھتا ہے

١٨٥٠ نہایت قابلیت سے مجھے ثابت کیا مردہ — مناسب داد دینا ہے مجھے یا رب کہ رونا ہے
ندا آئی مناسب ہے کہ جینا اپنا ثابت کر — خوشامد یا شکایت دونوں ہی میں وقت کھونا ہے

١٨٥١ نزول وحی مغرب نوجوانوں پر ہوئے اکبر — زبانیں کالجوں کی کھل گئیں اب آپ چپ رہیئے

١٨٥١ مذہب سوسائٹی ہے اور دین آخرت ہے — پولٹیکل جو پوچھو طاقت ہے اور سکت ہے

١٨٥٤ قائل تقدیر یہ تھے قائل تدبیر وہ — یہ قضا سے اور وہ اپنی حماقت سے مرے

١٨٥٩ دو حرف میں ہیں دفتر تجھکو اگر نظر ہے — مذہب مریدگی ہے سائنس میں اگر ہے

١٨٦٠ کرتا ہوں ہر اینٹ پر نوحہ رکا رہتا ہے کام — تنگ ہے وہ شوخ مجھ تاریخ داں سے دوسری

۱۸۶۱ بھائیو گیہوں کا آٹا ڈھائی آنہ سیر ہے — پھر عجب کیا ابن آدم زندگی سے سیر ہے

۱۸۶۲ جو چاہتا ہے زمیں کو کہ لالہ زار کرے — برائے سعی وہ موسم کا انتظار کرے

۱۸۶۳ بھائی عربی، دوست ہندو، بادشاہ انگریز ہے — آپ کی فکر ترقی انتشار انگیز ہے

۱۸۶۴ دل ہیں اب نورِ خدا کے دن گئے — ہڈیوں میں فاسفورس دیکھیے

۱۸۶۵ یہ ینگ پارٹی کی بنا کس غرض سے ہے — واللہ یہ علاج تو بدتر مرض سے ہے

۱۸۶۶ انہیں موجِ مغربی مجھ میں ہوائے شرق ہے — حضرت گزٹ میں غرق ہیں بندہ غزل میں غرق ہے

۱۸۶۷ اب تو پنڈت جی کا ہائی مارک ہے — دل میں پی کر نہیں ہے پارک ہے

۱۸۶۸ بدن کو کچھ سمجھ سکتے ہو نشتر اور شعاعوں سے — مگر آساں نہیں تشریح استعداد روحانی

۱۸۶۹ رکنِ محفل وہ ہوئے رنگ بدل دینے سے — بات میری بھی بنی رہ گئی چل دینے سے

۱۸۷۰ بہ قولِ اہلِ مغرب یہ زمانہ ہے ترقی کا — مجھے بھی شک نہیں اس میں کہ غفلت کی جوانی ہے

۱۸۷۱ اُس بت کے لب و رُخ کا لیا بوسہ پس از عقد — مجھ شاعرِ مشرق کا ہنی مون یہی ہے

۱۸۷۲ تجربہ خود ہی بنا دیتا ہے مرشد **اکبر** — سچ کہا آپ نے پیری میں مریدی کیسی

۱۸۷۳ نہ پوچھو ہم سے **اکبر** حالتِ سائنس و مذہب کو — وہاں ابجد یہ ہنگامہ یہاں منطق پہ بیہوشی

۱۸۷۴ ہر شخص میں جوشِ خودسری ہے — سوشل حالت کی ابتری ہے

۱۸۷۵ عجب حالت ہے شیخِ ہند کی اطفال کی نسبت — جوانی بھی یہیں گذری بچپن بھی بت پرستی سے

۱۸۷۶ جب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی — وقت میں وہ ہیں کہ جو نہ صاحبِ قلی

۱۸۷۷ کالج و اسکول کی بجتی ہے ہر سو تومڑی — چار دونی آٹھ ہیں اور فاکس معنی لومڑی

۱۸۷۸ پہلے ہوتا تھا وصال اور اب ہے مرگِ نیچری — عرس کا اب بیلے ہے نام اینی ورسری

۱۸۷۹ دلیری سکھاتے ہیں ہم کو یہ کہہ کر — جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

۱۸۸۰ مری کھیتی تو اکارت ہوئی جو ٹڈی نے چگ لی ہے
میں کیوں پوچھوں جگہ ٹھاکر کی جمنا ہے کہ ہگلی ہے

۱۸۸۱ نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے
ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیبے کا پانی ہے

۱۸۸۳ ہمارے مصلح اگر یہی ہیں دل ہی دینگے مزاج لیلیٰ
یہ مشورے دے رہے ہیں حضرت کہ بھیجدو قیس کو بریلی

۱۸۸۵ مرا ٹٹو زیادہ مشرقی ہے شیخ صاحب سے
کہ وہ موٹر پہ چڑھتے ہیں یہ موٹر سے بھڑکتا ہے

۱۸۸۷ صبا نے جارج کو مژدہ یہی سنایا ہے
محافظ حرم اب آپ کی رعایا ہے

۱۸۸۸ نہیں ہمت کی اب فطرت سے کی اُنکے ترانے کی
ہدایت مرشد و شیخ کی ہے اُنکو چپ رہنے کی

۱۸۸۹ شفا میں سب جمع ہیں مجھ سے نہ پی پی کیجیے
آپ اس بوتل کو میرے گھر پہ وی پی کیجیے

۱۸۹۰ ماٹر کی بحث اگر مانیں نتیجہ ہے یہی
اب ہیں اچھے جانور پہلے بُرے انسان تھے

۱۸۹۳ سرخا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کرکے
سید بھی کورے کھسکے برسوں مساس کرکے

۱۸۹۵ جمال صورت معنی میں بحث و رد و کد کیسی
گل و بلبل کے حق میں کیا شہادت دوربیں کیسی
نہ دعوے کی ضرورت ہے نہ کوئی روک سکتا ہے
کسی میں فطرتی جوہر جو ہو وہ خود چمکتا ہے

۱۸۹۷ اتحادِ مذہبی کا شوق گو ہے بیچ دل
اس زمانے میں مگر کچھ اور ہے طرزِ عمل
پہلے سنتے تھے صلائے ہمدم و ہمدل کون ہے
اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری گوئیاں کون ہے

۱۹۰۰ وہی ہنسائے وہی رلائے وہی جگائے وہی سلائے
وہی بگاڑے وہی سنوارے وہی نکالے وہی جلائے
اُسی سے خوش رہ اُسی کا غم کر اُسی کو دیکھ اور اُسی میں گم ہو
دعا اُسی سے ثنا اُسی کی جو گر تو چپ ہو سنبھل تو قم ہو
جہان فانی کے کل کوائف اُسی کی قدرت کے ہیں لطائف
اُسی کی رحمت پہ کوئی غافل اُسی کی عظمت سے کوئی خائف

دلوں کا مالک نظر کا حاکم سمجھ کا صانع خرد کا بانی
جمال اُسی کا جلال اُسی کا اُسی کو زیبا ہے لن ترانی

خواہشیں کھو دیتی ہیں صبر و شکیب — خواہشوں میں ہوتے ہیں اکثر فریب ۱۹۰۱
ہمنشیں کے نفس کے شیطان کے — خود غرض احباب کے سلطان کے
پہلے آپ اصلاح خواہش کیجیے — بعد ازاں دنیا سے سازش کیجیے

ضرورت نے کیا قائم جو پاس و رفیل کا پھندا — تو مشتِ استخواں نے مشتِ پر کو کر دیا چھندا ۱۹۰۲
ہمائے اوج عزت کا اگر حق اتو غالب ہو — شرف اسکا ہے محفوظ غیرت اسکی طالب ہو

اُس چیز کا کیا کہنا اکبر تھا جس نے دلوں کو نیک کیا
لاکھوں ہی طبائع کو کھینچا ہموار کیا اور ایک کیا
جو قوم کو ابتر کرتے ہیں اب اُن اثروں پر رونا ہے
معلوم نہیں کیا مطلب ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تعلیم جنھوں نے پائی ہے وہ بد تو نہیں ہیں بے حس ہیں
دعوی جو ہیں رسم و مذہب کے سب اُنکے یہاں سے ڈسمس ہیں
کیوں دولت و قوت کی ہے کمی اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اُسکو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں
لیکن یہ جو سوشل آفت ہے طوفان بپا ہے فتنوں کا
بے مہری ملت کی یہ ہوا اک قہر ہے جس کا ہر جھونکا
اسکا جو سبب ہے سن لو اُسے سب پر وہ عیاں ہے ظاہر ہے
الفاظ صریح و واضح ہیں یہ مطلع اکبر حاضر ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

1910 گئے برہمن کے پاس لیکر جو اپنے جھگڑے کو شیعہ سُنی
بگڑ کے بولا کہ جاؤ بھاگو ملکش تم بھی ملکش وہ بھی
بڑھی جو تکرار تو وہ لیکر انھیں فرنگی کے پاس پہنچا
وہ بولا بس دور ہو یہاں سے کہ تم بھی نیٹو ہو وہ بھی نیٹو
فلک نے آخر ہر اک کی سُنکر کہا کہ تم سب ہو مست غفلت
سمجھ لو اس کو کہ تم بھی فانی ہو وہ بھی فانی ہو یہ بھی فانی

1914 برگڈ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے — مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

1915 نہ تیرا فگنی ہے نہ اب حسکم رانی — نہ وہ وضع ملت نہ قرآن خوانی
نہ باہم ادب ہے نہ وہ مہربانی — یہی کہتی پھرتی ہے لڑکے کی نانی
ہر اک شاخ میں پاس یہ لے ہوا ہے — مرا لال کالج کا کاکا تو ا ہے

1916 پسنجر کی آمد رہی در کنار — ہوا ڈاک گاڑی میں بھی انتشار
جو لی ریل والوں نے راہِ فرار — ٹریفک کا ہی بند سب کاروبار
کئی دن سے سونی ہر ای آئی آر — یہ سچ کہہ گیا شاعر نامدار
بیک گردش چشم نیلوفری — نہ انجن بماند نہ انجنیری

1917 اُٹھ گیا پردہ تو اکبر کا بڑھا کون ساحق — بے پکارے جو مرے گھر میں چلا آتا ہے
بے حجابی مرے ہمسائے کی خاطر ہے نہیں — صرف حکام سے ملنے میں مزا آتا ہے

1918 قدر دانِ فن کی بیعت کا عجب نقشہ ہے آج — بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ وہ اُلّو نہ ہوئے

۱۹۲۱ اک غزل میں اتفاقاً میرا اک مصرعہ یہ تھا — دیدۂ عبرت سے رنگِ ویرانی دیکھیے
کوئی بول اٹھا زوالِ حسنِ بت مقصود ہے — اس سخن میں بد شگونی کی نشانی دیکھیے
عارفانہ شاعری بھی آجکل دشوار ہے — بزمِ دنیا میں یہ زورِ بدگمانی دیکھیے

۱۹۲۴ کہنا ہے مجھکو جو کچھ سنیئے گا اس صدی میں — پوچھا کہ اس صدی میں کیوں چپ ہو گئے جی میں
بولے کہ یہ صدی ہے اس بحث اور بیاں میں — کہنا ہے جو کہیں ہم وہ کونسی زباں میں
سنکر یہ بات اُنسے ہر اک کو آیا چکر — ایک صاحبِ بصیرت چلتے ہوئے یہ کہکر
پیرِ فلک نہ کیونکر ابوابِ بحث کھولے — جیتے رہیں گرو جی زندہ رہیں بھولے

۱۹۲۵ پہلے کام اپنا پالیسی کرتی ہے — ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے
تنگی ہوتی ہے جب بہت خلقت پر — فطرت خود اُٹھ کے ثالثی کرتی ہے

۱۹۲۶ زبانِ سنسکرت اسوقت پنڈت جی سے کہتی ہے — کہ اچھا ہے مری الفت تمھارے دل میں رہتی ہے
میں خوش ہونگی بلا شک تم اگر مجھکو جلاؤگے — مگر وِسکی پلاؤگے کہ گنگا جل پلاؤگے
جیونگی میں کہ پھر تمکو ملاؤں دیوتاؤں سے — بھڑاؤگے مجھی کو یا کہ دنیا کی بلاؤں سے
اگر شوقِ عبادت ہے تو میں موجود ہوں اب بھی — اگر دنیا کا سودا ہے تو کب میں اس سے راضی تھی

۱۹۲۷ پیدا جو ہوئے یہ غل مچانے والے — دل انکا نہیں ہیں ہم بڑھانے والے
لیکن بہ ادب کرینگے یہ عرض کہ ہیں — اس فن کے حضور ہی سکھانے والے
فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی — اب تو دھن ہے انھیں فرنگن کی

۱۹۳۱ فنا کے دور میں عبرت کو بھی قیام نہیں — نشان ہی نہ رہے جب تو یاد کیا آئے

۱۹۳۴ دلی خواہش تو ہے بیشک کہ اب اور ایک دو کہیے — مگر کہنے کو ہوں موجود سب کچھ آپ جو کہیے
بتانِ مغربی کی مدح و ذم کی بحث نازک ہے — سکوت اسوقت اولیٰ ہے نہ کِس کہیے نہ تُو کہیے

۱۹۳۸ گو ڈرِ جدید روشنی کے شعلوں کی ہے یہ — پردے کی احتیاج ہے کیا اس بناؤ پر
جب شمع ہو تو اسکی حفاظت ضرور ہے — فانوس کوئی رکھ نہیں سکتا الاؤ پر

۱۹۳۹ نام میرا دفترِ اعزاز سے خارج ہے اب — پارک کی زینت میں میری قبر بھی خارج ہے اب

۱۹۴۰ یہ دالِ لبِ گنگ کبھی گل نہیں سکتی — کلّو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی
افعی سے کہا میں نے مجھے تو نے ڈسا کیوں — بولا کہ بلا لاٹھی کے تو بن میں بسا کیوں

۱۹۴۱ پاؤں میں تو مہندی ہے لگی شوقِ ڈنر کی — حیران ہوں اکبر نے کمر کو یہ کسا کیوں

۱۹۴۳ پیٹ مصروف ہے کلرکی میں — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

۱۹۴۴ بعض مسلم تو ایسے ہیں موجود — منھ جو لحمِ بقر سے موڑتے ہیں
فوجی گورے مگر کریں کیونکر — جان بل کب ٹٹو کو چھوڑتے ہیں

۱۹۴۵ نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن — فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے کہاں وہ میسّر — غنیمت ہیں اسوقت دشمن کے دشمن

۱۹۴۶ قناعت نہیں ہے تو ایمان رخصت — عبادت نہیں تو مسلمان رخصت

۱۹۴۷ یہ آپکا فرمانا ہے بجا قرآن بھی ہے اللہ بھی ہے — مشکل تو یہ ہے لیکن کہ ادھر بھی ہے ادھر تنخواہ بھی ہے

۱۹۴۹ ہر طرف برپا ہے طوفانِ عناد و اختلاف — برہمن اور شیخ مشغول ساز و ساماں کیا کریں
پالسی مغرب پہ مشرق پر تعصب ہے سوار — اسکو ہندو کیا کریں اسکو مسلماں کیا کریں

۱۹۵۰ تقلید حریف میں جو پہنچے نقصاں — افسوس اسکا ہو کیوں دلِ ملت میں
مسجد کی سیمنٹوں میں دیتے امداد — ہوٹل میں پٹو تو شیخ جی کیوں دوڑیں
کانٹے بونے لگے اب شکسپیر پڑھ کے عزیز — گل کھلائینگے کہاں تک یہ گلستاں والے

۱۹۵۲ سگے بدنبال و نشۂ زر فل بدمست و غرور در سر — کدھر ہوا ہے یہ عزمِ قاتل خدا کرے خیر جانِ بسمل

ہوگیا ہے الہلال آں ماجگاہِ تیرِ غرب — اس نئے دورِ فلک کی چاند ماری دیکھیے ۱۹۵۳

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہو تو اخبار نکالو ۱۹۵۴

ضبطیٔ پرچۂ توحید ہوئی فیسر یہ ہے — قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ضبط نہیں خیر یہ ہے ۱۹۵۵

نورِ ایماں کی ضرورت نہیں سمجھا سائنس — وجہ خاموشیٔ شمعِ حرم و دیر یہ ہے

مغربی پارک میں چکر کے سوا کچھ بھی نہیں — دلِ رنگین کی ہوا کھاؤ بڑی سیر یہ ہے

قید ہر کروٹ پہ ہر بوسے پہ اک مضمون ہے — عشق میں کیا ہے نرا قانون ہی قانون ہے ۱۹۵۹

گو نئی نظریں مبارکباد دیں اس لطف پر — میں تو کہتا ہوں کہ شامت اسکی جو مفتون ہے

صاف کہتا ہوں میں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کُش مولوی ۱۹۶۰

بابو صاحب کا یہ ہے شکوۂ افلاس بجا — سچ تو کہتے ہیں کہ مچھلی نہ سہی بھات تو ہو ۱۹۶۱

چاہو بھلا جو اسکا ہرگز نہ تم سکھاؤ — بحثِ حقوقِ انساں نیٹو آف انڈیا کو ۱۹۶۲

جی کو کیونکر جائے کارِ خانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہے جو چوہوں کی تو بلی کیا کرے ۱۹۶۳

بھلا کیا پوچھنا ہے شان اکبر کا زمانے میں — زدہ نیٹو بھی ہے ہندوستانی بھی مسلماں بھی ۱۹۶۴

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے ۱۹۶۶

قوتِ زیرِ حراست سے نہیں پیدا شکوہ — جب لیا لیسنس تو رعبِ رفل جاتا رہا ۱۹۶۷

باوجود اس بیکسی کے بدگمانی اسقدر — میرے کی اللہ سے فریاد آڑے آیا دیں ۱۹۷۰

ڈائری میں ہوگیا تھا اختلافِ اندراج — لڑ گئے خفیہ پولیس سے کل کراما کاتبیں

سول سرجن تو ساڑھے سات سے پہلے نہیں اٹھتے — ولیکن انکے مرغ کی سحر خیزی نہیں جاتی ۱۹۷۱

اے ذہنِ عرب گوش مکن صلح عجم را — ایں نغمہ کشیدا ست دگر صوت و نغم را ۱۹۷۲

ضمیمہ

۱۹۷۳ دربحرِ زندگی دلم آہے کشیدہ رفت — برق بگومیش کہ درابرے طپید و رفت
داغِ دل است رنگِ فنا اندریں چمن — سبزہ دمید و مرد گلِ تر رسید و رفت

۱۹۷۴ اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن — ہر روز یہ کہہ دیتے ہو اب اور کسی دن
ہر لذّتِ دنیا پہ وہ جھکتے ہیں فی الفور — آفت میں پھنسائیگی یہ فی الفور کسی دن

۱۹۷۵ خیالِ حالتِ قومی سے دل کو پست کرتا ہوں — مگر جب اپنا بنگلہ دیکھتا ہوں جست کرتا ہوں

۱۹۷۶ مورخ اور صوفی میں یہی ہے فرق اے اکبر — کہ وہ مصروفِ ماضی ہے اور اسکو حال آتا ہے

۱۹۷۷ داڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب — فیشن کے انتظامِ صفائی کو کیا کروں

۱۹۷۸ نکال دیں تو درِ فیضِ عام چھپتا ہے — جو منھ لگائیں تو اُن کا گدام لُٹتا ہے
سکھائیں کیوں نہ یہ فقر و فنا رعایا کو — کہ حرص بڑھتی ہے اسکے نہ دم ہی گھٹتا ہے
کریں یہ خاک نشینوں کی طبع کو ہموار — کہ جس طریق سے کنکر سڑک پہ کٹتا ہے

۱۹۷۹ نہ کٹ لٹ ہیں نہ یاں کانٹا چھری ہے — مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بُری ہے
کہاں مسجد میں وہ اگلے سے مسلم — خدا کے نام کی حنا نہ پڑی ہے
ترقی پا کے وہ بر گدّیں پہنچے — کسی کو کیا کہ جب تنہا خوری ہے
یہ لیڈر گا رہا ہے حمد کے گیت — مگر آواز بالکل بے سُری ہے
عقد سے کیا ہوں خوش کہتی ہے بیوی آنکھ — بے سمانہ آنکے تو کب ہاتھ لگانے دونگی
میں مسلمان کی لڑکی ہوں مسلمان ہیں خود — سامنے بھی انھیں واللہ نہ آنے دونگی
ساس کہتی ہے کہ پڑھواؤنگی سمجھا کے نماز — ایسے مسٹر کو بھلا ہاتھ سے جانے دونگی

۱۹۸۱ دھن دیس کی تھی جسمیں گاتا تھا اک دہاتی　　بسکٹ سے ہے لائم پوری ہو یا چپاتی
شانِ نمازِ اکبر شاہانہ ہو چلی ہے　　مسجد الگ بنائیں اپنی میاں وفاتی

۱۹۸۲ جو ایرشپ پر چڑھے تو ایسے کہ بس ہمیں ہیں خدا نہیں ہے
جو ایرشپ سے گرے تو ایسے کہ لاش کا بھی پتا نہیں ہے

حیاتِ دنیا کو آیتوں میں خدا نے لہو لعب بتایا
کسی کو ہو کچھ تامل اسمیں ہمیں تو شبہہ ذرا نہیں ہے

۱۹۸۳ گپیں اُڑانے کو اک ادیِ عمل تو ہے　　ہمارے واسطے اِک تازہ کا محل تو ہے
الٰہی رکھ تو سلامت ہمارے لیڈر کو　　کہ بزم قوم میں اس سے چہل پہل تو ہے
چلا ہی لیں گے کسی کھیت میں بحکم حضور　　خدا کے فضل سے محفوظ اپنا ہل تو ہے

۱۹۸۴ اُنسے اقرار اغوا ہی یہ اغوا کو چھپاتے ہیں　　علیہ اللعن ہے شیطان لیکن انسی اچھا ہے
بہت مبہم تمھارا مصرعۂ ثانی ہے اے اکبر　　اشارہ ہے کدھر شیطان آخر کن سے اچھا ہے

۱۹۸۵ جو سچی بات ہے کہدو نگا بے خوف و خطر اسکو　　نہیں رکنے کا میں ہرگز پری ٹوکے کہ جن ٹوکے
انار آتے جو کابل سے تو پڑتے سب کے حصے میں　　امیر آئے تو ہمکو کیا مزے ہیں لارڈ منٹو کے

۱۹۸۶ شاہی و حکومت کی ہے اصلی یہی بوٹی　　ہر طور سے انسان سمجھ لے اُسے ڈیوٹی
حاکم میں اگر ناز ہے اور عیش پرستی　　حاکم میں اگر بادۂ نخوت کی ہے مستی
کتنا ہی زبردست و بلند اُسکا ہو پایا　　ہرگز نہ کہیں گے اُسے اللہ کا سایا
حاکم کو ضروری ہے مذاہب کی اعانت　　اللہ کی ہو جس سے پرستش بہ فراغت ۱۰
با این ہمہ کرنا ہے مجھے صاف یہی عرض　　حاکم کی اطاعت ہے بہرحال تمھیں فرض
دُنیا یہ بنی ہے پئے تیاریِ عقبےٰ　　بیجا ہے حکومت کا جو ہر اک کو ہو سودا

یہ ملک نہ فطرت کا ہے شیدا نہ خدا کا | دادا کا کہیں ثبت ہے کہیں رسم کا خاکا
جو شرک میں ڈوبا ہے نہ پھولا نہ پھلے گا | غیروں ہی کی امداد سے کام اُسکا چلے گا

۱۹۸۹ مجھ میں اب زور ناتوانی ہے بہت | بااین ہمہ اُنکو بدگمانی ہے بہت
خاموش رہو تو سانس لینے دینگے | اتنی بھی یہ اُنکی مہربانی ہے بہت

میر منشی رضا حسین خاں صاحب نے سلسلہ مراسلت میں مجھکو یہ شعر لکھ بھیجا تھا

چشمے داریم و عالمے در نظرم | دیگر چہ معلّم و کتابم باید

میری طبیعت میں اس شعر نے ایسا ہیجان پیدا کیا کہ اشعار ذیل موزوں ہو گئے۔

اے آنکہ فسانہ گوئی از دیر و حرم | این دفتر تست باعث درد سرم
بگذار مرا بہ عالم از رہِ کرم | چشمے داریم و عالمے در نظرم

دیگر چہ معلّم و کتابم باید

جامے ز مئے طہور دارم در دست | جانم بہ سرود عاشقی بیخود و مست
نے طالب نغمہ ام نہ من بادہ پرست | تارِ نفس است و بادۂ از عہد الست

دیگر چہ مغنّی و شرابم باید

۱۹۹۰ یہ کہتے تھے اک لالۂ باوقار | کہ عربی حروف ابتو ہم پہ ہیں بار
رکی ہے اُنھیں سے ہماری نمود | یہ کھسکیں تو ثابت ہو اپنا وجود
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال | ہٹے جائے حطی رہیں رام لال

۱۹۹۱ رقبہ تمھارے گاؤں کا میلوں ہوا تو کیا | رقبہ تمھارے دل کا تو دو داغ بھی نہیں

۱۹۹۲ بوئے وفا نہیں ہے مسوں کے اصول میں | بس رنگ دیکھ لیجئے گملے کے پھول میں

۱۹۹۳ روتا تھا میں اس غم میں کہ حالت تو ہے ایسی | اور اسکا کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

ہو اس کا بھلا جس نے کہا دل کو قوی رکھ — جو تجھ پہ گذرتی ہے خدا دیکھ رہا ہے

۱۹۹۵ بھائی صاحب تو یہاں فکرِ ساوات میں ہیں — شیخ صاحب تو سنا ہے کہ حوالات میں ہیں

قوم کے حق میں تو الجھن کے سوا کچھ بھی نہیں — حضرت آنر کے مزے انکی ملاقات میں ہیں

سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بہ کف — اک ہمیں ہیں ریزولیوشن کی خرافات میں ہیں

ہوش میں رہ کے کرو دور نقائص اپنے — مغربی لوگ تو مست اپنے کمالات میں ہیں

۱۹۹۶ طالب ہوں میں ترقئ بابو پسند کا — اخلاق کو اگرچہ ہے خطرہ گزند کا

۲۰۰۰ بابو ہمیں نکل گئے اس عہد میں تو خیر — رہنا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

۲۰۰۱ جس نے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے — تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے

۲۰۰۲ مٹنے پر ہے نقشِ باطل — لاتستعجل لاتستعجل

۲۰۰۳ عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی — ہوش کے ٹکڑے ہوئے ہیں میں کی صدا آنے لگی

۲۰۰۴ جو بات صاف ہے کہتا ہوں بے دریغ اسکو — نہ مجھکو کام ہے ٹھکرائی سے نہ شیخی سے

زیادہ زینتِ دنیا بھی ہے فساد انگیز — جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

۲۰۰۵ اب حدیثِ لیڈری ہے عمر رادی ہو چکی — آفتِ ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی

پند ہے کونوا عباد اللہ اخوانا کی خوب — ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی

۲۰۰۶ خلوتِ ناز میں کیا شانِ خود آرائی ہے — حسن خود عالمِ حیرت میں تماشائی ہے

۲۰۰۷ میرے اس مصرع پہ سب کی واہ ہے — ہوش میں ہوں زندگی اللہ ہے

۲۰۰۸ ۱۲/۸ جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

چلا جاتا تھا اک ننھا سا کیڑا راست کاغذ پر — بلا قصدِ ضرر اسکو ہٹایا میں نے انگلی سے

مگر ایسا وہ نازک تھا کہ فوراً پس گیا بالکل — نہایت ہی خفیف اک داغ کاغذ پر رہا اسکا

ابھی وہ روشنی میں شمع کی کاغذ پہ تھرّاتا تھا ۔۔۔ ابھی یوں مٹ گیا اک جنبشِ انگشتِ انساں سے
لیا میرے سلوشن ہی کسنے اُسکا دُنیا میں ۔۔۔ نہ تھی فطرت کی کیا کاری گری اسکے بنانے میں
نسب نامہ بھی اُسکا عالمِ ذرّات میں ہوگا ۔۔۔ یہی تھی اُسکی ہستی اور اسمیں اُسکی مستی تھی
نہ ماتم کرنیوالا ہی نہ لائف لکھنے والا ہے ۔۔۔ وہ دھبّا درسِ عبرت دے رہا ہی مجھکو اے اکبر
معاذ اللہ کیا سمجھا ہی تو نے اپنی وقعت کو ۔۔۔ تجھے بھی صفحۂ روئے زمیں سے ایک دن آخر
مٹا دے گی کوئی تحریکِ فطرت حکم باری سے ۔۔۔ عجب حیرت سے میں ہوں دیکھتا اس داغ کاغذ کو
مری نظروں میں تو نقشہ یہ ہی دنیائے فانی کا ۔۔۔ صریحاً جسم تھا اک جان تھی احساس تھا اسمیں
اور اب دھبّا سا ہی کیا جانے کوئی کیسا دھبّا ہے ۔۔۔ عجب کیا ہی جو سمجھے کوئی پنسل کی لکیر اسکو
معاذ اللہ معاذ اللہ سنّاٹے کا عالم ہی ۔۔۔ بہت جی چاہتا ہی رو دوں اس ہستی کی دھبّے پر
یہ ہیں برسات کے دن تیسرا دن گذرتی ہی ۔۔۔ میں اپنا غم غلط کرتا ہوں کچھ اشعار لکھنے سے

(اصل کاغذ جس پر دھبّا ہے حسن نظامی دہلوی لے گئے اُس کا فوٹو اُنھوں نے چھاپا ہی)

2010 پوچھے کوئی اگر تصنیف کیا ۔۔۔ کہہ دو اکبر کہ لفظ بے معنے
پوچھے کوئی اگر شریعت کیا ۔۔۔ کہہ دو اکبر کہ لفظ با معنے
پوچھے کوئی اگر تصوّف کیا ۔۔۔ کہہ دو اکبر کہ معنی بے لفظ

2011 ہمارے شیخ صاحب کا عمل کتنا مناسب ہے ۔۔۔ اُدھر پر تو بھی اللہ ہی اِدھر جنت بھی واجب ہے

2012 مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہی ۔۔۔ میخانہ دل ہی اسکی شرابوں کا زور ہے

2013 فدا ہوں ہادیانِ دین و ملّت کے نشانوں پر ۔۔۔ پرستش میں مگر تقلیدِ ابراہیم کرتا ہوں
فروغِ سعیِٔ انسانی بھی ہی اور شمس تاباں بھی ۔۔۔ مگر میں لا احبّ الآفلین تعلیم کرتا ہوں
دریدہ دل اہلِ دل کا جب کھلا ہو جانبِ زنداں ۔۔۔ تو بیشک فیضِ روحانی کو بھی تسلیم کرتا ہوں

۲۰۱۴ اِک بحث میں اُلجھکر دُنیا کا کام چھوڑا — چھوڑی سحر نہ اُسنے ہنگام شام چھوڑا
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی — جو بحث اُٹھائی اسکو بس ناتمام چھوڑا
آمنّا کا اشارہ کافی ہے تجھکو اکبر — پھر دل کا کیا ہو مرکز جب یہ مقام چھوڑا

۲۰۱۵ عجم کی زینتیں سیکھیں مباہاتِ عرب سیکھیں — زمانے کی ترقی جو سکھائے انکو سب سیکھیں
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں — خدا کیواسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

۲۰۱۶ دل کو فطرت سے ہی تعلق — مذہب کا اثر زبان پر ہے
چاہو جو شناخت نیک و بد کی — موقوف یہ امتحان پر ہے

۲۰۱۷ دُنیا کی بے وفائی سے اکبر ملول ہے — لیکن زیادہ اُس کا تصور فضول ہی
ابتک وہ رو رہا ہی میں سمجھا تھا رو چکا — اتنی سمجھ نہیں کہ مرا وقت ہو چکا

۲۰۱۸ جن میں ہر گام پہ اک دام بلا ہی درپیش — نفس کو تو اُنھیں باتوں میں مزا آتا ہی
اس کمیٹی میں نہیں روح کی لذت کا خیال — ممبر اُٹھ جاتے ہیں جب ذکر خدا آتا ہی

۲۰۱۹ بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہی

۲۰۲۰ الف بے تے ہی کو پڑھکر میں سمجھا — الف اللہ کا اور ماسوا بُت

۲۰۲۱ نہ ازل کی رہی یاد اور نہ ابد کی ہے خبر — آفریں تجھ پہ مجھے ہوش میں لانیوالے

بے حد وہ خفا ہیں اکبر سے اور اُنکی دعا یہ ہے کہ اُنھیں
۲۰۲۲ اللہ بصیرت ایسی دے اپنی غلطی کو دیکھ سکیں

۲۰۲۳ علم پر گو غرور بیجا ہے — جاہلونسے ہی اجتناب روا

۲۰۲۴ شیخ برگد کہتے ہیں مذہب ضروری ہی مگر — فائدہ مذہب کا جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہی

۲۰۲۵ وہ خرافات پر ہیں آمادہ طلب — واہ واہ یہ عجب مصیبت ہی

حضرت کی شعر گوئی کچھ مستند نہیں ہے ~ کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

۲۰۲۷ حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا ~ کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

۲۰۲۸ کیا خبر خلد سے کیوں حضرتِ آدم نکلے ~ ہم تو مصروف ہیں گیہوں کی خریداری میں

۲۰۲۹ لاکھ چھانٹیں وہ مذہبی باتیں ~ فرق ہے شیخی و کلرکی میں

۲۰۳۰ لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض ~ کالج کے کیڑے پڑ گئے دلقِ فقیر میں

۲۰۳۱ اصطلاحِ بتِ بے پیر اسی پر ہے درست ~ جس کا مرشد نہیں اُستاد نہیں پیر نہیں

۲۰۳۲ تعلیم اسکی اچھی جو اپنے گھر میں خوش ہو ~ مذہب اسی کا اچھا جسکو پولس نہ پکڑے

۲۰۳۳ طاعون کی بدولت انکو بھی ارتقا ہے ~ جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

۲۰۳۴ تمھاری شاعری یہ پھل جھڑی ہے یا پٹاخا ہے ~ یہ حافظ ہی کی محفل ہے جہاں کا ساز باقا ہے

۲۰۳۵ تم خدا کو خوش کرو سب کی خوشامد چھوڑ کر ~ یا خدا حاکم جو ہوگا خود ہی خوش ہو جائیگا

۲۰۳۶ فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن ~ دُنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

۲۰۳۷ نا ملائم کیوں کہو اور کیوں سنو ~ بات یہ ہے چپ کرو یا چپ رہو

۲۰۳۸ سمجھی ہوئی باتوں نے پریشان کیا ہے ~ مشتاق ہوں اُس کا جو سمجھ میں نہیں آتا

۲۰۳۹ قائل ہمہ اوست کا ہے اکبر ~ محسوس مگر ہمہ نہیں ہے

۲۰۴۰ کرتا ہوں مضمون یہ مغرب سے نقل ~ بوتا ہے علم اور سینتی ہے عقل

۲۰۴۱ کالج کے مفتیوں سے کل کہہ رہے تھے اکبر ~ بسکٹ سے باز آنا رہبانیت نہیں ہے

۲۰۴۲ کہتے ہیں کہ تم قوم سے تم کیوں نہیں کہتے ~ کہہ دو یہ مناسب ہے تو تم کیوں نہیں کہتے

۲۰۴۳ نہیں اُنکے عقائد میں یقیں ہو سکا نہیں ہوتا ~ جو کہتے ہیں نہ کرتے یہ اگر انکو یقیں ہوتا

۲۰۴۵ فرمان کسے بودہ دُرہا کہ چنیں سُفتم ~ گفتند بگو گفتم ۔ گفتند بگو خفتم

سایہ مدت ہوئی غبارہ بنا — پانچوں میں بھی اب بھری ہی ہوا ۲۰۴۶

جو کہہ رہا ہی خود اسکو نہیں ہے وہ محسوس — غرض کہ داد ہی پالے اثر سے ہو مایوس ۲۰۴۷

رجز تو تو نے سنائی رہ عمل کو بھی دیکھ — پرانے قصے تو ہیں یاد آجکل کو بھی دیکھ ۲۰۴۸

یاں نہ منطق ہی کتابوں کے نہ پشتارے ہیں — جوش ہی دل میں مضامین کے فوارے ہیں ۲۰۴۹

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رول بات ہو — لطف ہو سم ہی بھی مینڈک ہو اور برسات ہو ۲۰۵۰

دین پر جب ہمنے دنیا کو مقدم کر دیا — دنیوی درجے کو بھی اللہ نے کم کر دیا ۲۰۵۱

خوب عالم ہی زمانے کو جہاں دخل نہیں — بزم توحید میں یہ گردش ایام کہاں ۲۰۵۲

سر جھکا رکھ سر اٹھانے کی جگہ اب دل کہاں — چاند ماری ہو رہی ہی بدر کی منزل کہاں ۲۰۵۳

حرج کیا روپیہ جو کاغذ کا چلا — غم نہ تھا روٹی تو گیہوں کی رہی ۲۰۵۴

ہے جو وارث کا محبانِ الٰہی پر بھی تیر — ہاں حسابِ دوستاں رکھو اگر کہیے تو خیر ۲۰۵۵

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جھرمٹ ہی — وہاں سینے میں قرآن تھا یہاں سینے میں بسکٹ ہی ۲۰۵۶

کیا ترقی کہ ہم جس سے بڑھے بغض و نفاق — فر ہی کیا ہی اگر خلط ہی فاسد پیدا ۲۰۵۷

زیادہ بے لطفی ہو چلی تھی اُسوقت یہ اشعار معارف نے چھاپے ورنہ نصیحت اور امر بالمعروف ہمیشہ چاہیے

اسوقت مولویت صوفی سے بھڑ گئی ہے — اغیار کو ہو مژدہ آپس میں چھڑ گئی ہی ۲۰۵۸

ملّا کو زعم ہے یہ دائم چرا نگویم — صوفی کو یہ کہ عارم پائے چرا نپویم

ملّا یہ کہہ رہے ہیں میرا رسالہ دیکھو — صوفی کا ہی اشارہ میرا پیالہ دیکھو

ملّا پکارتے ہیں منطق کی جنگ اچھی — صوفی کا ہی ترانہ حق کی ترنگ اچھی

ملّا یہ کہہ رہے ہیں قرآن ہی سے پڑھیے — صوفی یہ کہہ رہے ہیں معنی سمجھ کے پڑھیے

اس جنگ میں ہو مشکل نادانیٔ سیاسی — یہ بات ہے یقینی ہرگز نہیں قیاسی
گو قیدِ ظاہری کی پاتے ہیں نہیں قلت — وہ بھی جماعتیں ہیں وہ بھی ہیں نظمِ ملت
دینی طریق میں تو ہر سمت ابتری ہے — مجلس میں ہی تنزل میلوں میں برہمی ہے
کہتے ہیں کر رہے ہیں ہم یہ رفارمیشن — دیکھا نہیں تھا لیکن کر دوں یہ آپریشن
بازو قوی جو رکھتے ہوتی اگر حکومت — اس وقت شاید آتی کچھ کام یہ خصومت
تنگیٔ رزق نے تو چرخے دیے ہیں کتوا — کیسی دلیل شرعی کیسا خرد کا فتوے
ہوتا رہے گا نشتر پہلے چلائیے تو — جانِ حزیں کو اُنکے تن سے ملائیے تو
ہر ہاتھ میں قلم بھی منہ میں زبان بھی ہے — لیکن یہ دیکھیے تو حضرت میں جان بھی ہے
وضعِ کہن کا مٹنا اُسکی یہ رُت نہیں ہے — تیشے سے توڑ دو تم ایسا یہ بُت نہیں ہے
اس وقت کیا تمھاری یہ خوش خیالیاں ہیں — آپس میں گالیاں ہیں غیروں کی تالیاں ہیں
بہتر ہے کام لینا نغماتِ موعظت سے — رو کو گلے کو لیکن ایسی چلت پھرت سے
شیعہ ہوں خواہ سُنّی ملّا ہوں خواہ صوفی — بے سود جنگ باہم ہے سخت بے وقوفی
باتیں نئی کہاں سے لاکر کوئی کہے گا — تم بھی وہی کہوگے وہ بھی وہی کہے گا
دیکھو ذرا تنزل تو خود ہی زد پہ ہے — موقوف کب یہ حالت آپس کے شور پر ہے
وقتِ نزاع باہم ہرگز نہیں ہے یارو — اللہ کو پکارو اللہ کو پکارو

۲۰۵ وہ خود آرائی کہاں خوش شیوگیٔ تمہیدِ ادب کہاں — رسم ادا کر دیتے ہیں مل لیتے ہیں عید اب دل کہاں

۲۰۶ دانے کو ہے حق نشو و نما اس سے تو نہیں انکار مجھے — لیکن یہ بتا دو مجھکو ذرا وہ کھیت میں ہے یا پیٹ میں ہے

۲۰۷ چلتی نہیں کچھ اپنی کوئی ہزار چاہے — ہوتا ہے بس وہی جو پروردگار چاہے
بے رونقیٔ اکبر میں ہو شریک آ کر — جو موسمِ خزاں میں رنگِ بہار چاہے

یہ پرچے میں چند اشعار ہیں اِس سال خدمت کے ——— ہمارے لختِ دل ہیں آپکا مالِ تجارت ہے ۲۰۶۲

کہوں کیا ہستیِ باری میں شک مجھے نکلے کیا معنی ——— یہی سمجھا نہیں میں آجتک ہو نکلے کیا معنی ۲۰۶۳

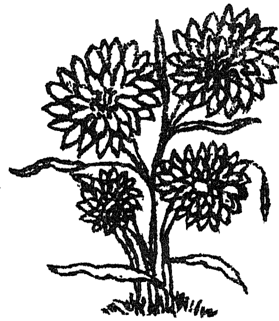
تنہائی میں بھی فکرِ جماعت کی جی میں ہے ——— دنیا میں میں نہیں ہوں یہ دنیا مجھی میں ہے ۲۰۶۴

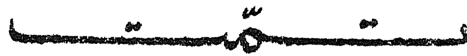
شاگردِ ڈارون تو خدا ہی نے کر دیا ——— اکبر مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں ۲۰۶۵

اگرچہ دعویٰ اسلام ہے مگر بالفعل ——— سوا خدا کے ہمارا کوئی گواہ نہیں ۲۰۶۶

چھوڑنا ممکن ہے اکبر شوخیٔ گفتار کو ——— ترکِ حق گوئی ہے مشکل محرمِ اسرار کو ۲۰۶

جوانی نے تو اپنے واسطے ہمکو اٹھایا تھا ——— بڑھاپا تو بٹھائے اب خدا کے واسطے ہمکو ۲۰۶۸





صحت نامہ کلیاتِ اکبر حصہ سوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۵	درد غم	درد و غم	۷۲	۱	ٹوٹتی	لوٹتی
۲	۱۱	یہتر	بہتر	۸۴	۱۲	مسکی	وہسکی
۱۲	۵	وہ مجھے	مجھے وہ	۹۱	″	عملوا الصالحات	عَمِلُوا الصّٰلِحَات
۱۷	۱۴	بننے کی	بننے کو	۹۳	۱۵	خاموشی	خامشی
۲۰	۱۲	آئیگا	آجائیگا	۹۶	۴	گو پرستو	گوش برستو
۲۳	۸	پاسپانی	پاسبانی	۹۸	۳	خود	[illegible]
۲۷	۱۱	یہ یاد	بہ یاد	۱۲۲	۸	سم	[illegible]
″	۱۲	بلہ پر	آہ پر	۱۴۲		کہا	[illegible]
۲۸	۷	ناتوانی پرشاد	ناتوانی پہ شاد	۱۴۵	۱۴	رہو ہیں	[illegible]
۳۲	۱۵	تکنے	تہکنے	۱۵۶	۱۰	برسانے	برسا نے
۳۵	۶	بیماری	بیماری ہی	۱۶۱	۱۷	صبحت	صحبت
″	۱۶	اللہ ہی کی	اللہ کی	۱۷۳	۳	ایک	اِک
۴۱	۱۵	پہلو سہ	پہلو پہ	۱۷۵	۴	خرم	حرم
۵۰	۱۳	کیجے	سیجے	″	۱۸	نغمہ زا	نغمہ ز
۵۱	[illegible]		نظم ۲۲ نہیں درج ہے	۱۸۴	۳	[illegible]	سفارشیشن
۵۴	۱۴	مشتاق	مشتاق				
۵۴	۷		نظم ۸۰ نہیں درج ہے				
۶۲	۵	کہونٹی	کہوٹی				